گھر۔ اردو بازار۔ دہلی

ایک نہایت دلچسپ اور سچی [illegible]ی فسانہ

پتھر سے ہیرا

از

جناب ڈاکٹر سعید احمد بریلوی

قیمت ۲ روپے

طبع سویم

نیا کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی

(جناح برقی پریس دہلی)

منسوب

قوم کے اُن بے یار و مددگار بچوں کے نام
جن کی طرف سے موٹے موٹے پیٹ والے
غافل ہیں اور صرف خدا ان کی مدد کرتا ہے

تعارُف

"پتھر سے ہیرا" درحقیقت ایک یتیم بچے کی سچی سرگذشت ہے جس میں نام تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے جب اس قصہ کو سُنا تو اس قدر پسند فرمایا کہ فوراً ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے فرمائش کی کہ اسے ایک کتاب کی صورت میں تحریر کر دیں۔ دلچسپی کے لحاظ سے بھی یہ سرگذشت کسی افسانہ سے کم نہیں ہے لیکن تربیت اطفال کے متعلق جو بیش بہا سبق اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اسے پیش نظر رکھا جائے تو اس کی وقعت عام افسانوں سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے اور حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر کی حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ

بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی
توانی کہ پیلے بہ موئے کشی

ہماری قوم کے بچے جس کس مپرسی کی حالت میں پرورش پاتے ہیں اور ان کی تربیت کی جانب سے جسقدر غفلت برتی جاتی ہے اس سے ہر شخص واقف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ افسانہ بہت سے والدین کو وہ طریقہ بتا دیگا جس نے ایک نہایت ہی آوارہ اور بدطینت لڑکے کو سچ مچ کا مصطفےٰ بنا دیا۔

واحدی، ایڈیٹر نظام المشائخ و ادیب دہلی

پتھر سے ہیرا

خدا بخشے شیخ کرامت علی صاحب بڑے سیدھے سادے پرانی وضع کے آدمی تھے پینتیس سال فوج میں نوکری کی اور کوئی چار ساڑھے چار برس پنشن بھی گھر بیٹھ کر کھائی لیکن اتنی عمر میں کبھی بیس سے آگے گنتی گننی نہ آئی۔ تنخواہ جو کچھ ملتی تھی لا کر بیوی کے ہاتھ میں دے دیتے تھے اور پھر اس سے کچھ غرض واسطہ نہ رہتا کہ مہینہ بھر تک گھر میں کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ شیخ صاحب مرحوم کے ایک لڑکی تھی اور ایک لڑکا۔ سروری تو لڑکی ذات تھی اور پردہ کی بیٹھنے والی اس لئے جیسا اس نے ماں باپ کو دیکھا ویسی ہی بن گئی، مگر مصطفےٰ کو صحبت تھی فوج کے آوارہ مزاج بچوں کی اور تعلیم اور تربیت کچھ ہوئی نہیں۔ اس لئے حد سے زیادہ بدتمیز اور نالائق ہو گیا۔ باپ گو قریب قریب زندگی بھر کبھی اپنے فوجی کاموں

سے اتنی فرصت ہی نہ ہوئی کہ بچوں کی طرف توجہ کرتے اور جب پنشن لے کر گھر آگئے تو رات دن محلہ کی مسجد کی خدمت سے اتنی مہلت نہ ملتی تھی کہ بچے کو دیکھتے بھالتے، رہی ماں۔ تو مصطفےٰ ایسے نیک کہاں تھے کہ اس کا کہا مان لیتے وہ بیچاری ہر چیز سمجھاتی اور بہتیرا کچھ چیختی چلاتی مگر مصطفےٰ پر ایک اثر نہ ہوتا تھا اور روز بروز اس کی آوارہ منشی اور ترقی کرتی جاتی تھی۔ محلہ والے کبھی کبھی شیخ صاحب سے کہا بھی کرتے کہ شیخ صاحب آپ صبح سے شام تک مسجد کو تو صاف کیا کرتے ہیں اور دھویا کرتے ہیں۔ لیکن کبھی مصطفےٰ کی درستی اور آراستگی پر توجہ نہیں کرتے مسجد اگر خدا ہی کا گھر ہے تو اس گھر میں تو کوئی نہ کوئی جھاڑو دے ہی دے گا لیکن اس گھر میں جو مصطفےٰ کے سینہ میں ہے آپ کے سوا اور کوئی جھاڑو نہیں دے سکتا۔ تو اس کے جواب میں شیخ صاحب یہ کہہ دیتے کہ بھائی میں فوجی آدمی ہوں اگر میں نے اس سے کچھ کہا اور اس نے نہ مانا تو پھر مجھے غصہ آجائے گا اور کیا عجب ہے کہ میں اسے جان ہی سے مار ڈالوں۔ اس لئے میں کچھ نہیں کہتا اور اسے خدا پر چھوڑ دیا ہے۔

جب شیخ صاحب کا انتقال ہوا ہے تو مصطفےٰ کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور اس کم سنی ہی میں اس کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص اس کی آوارگی کو دیکھ دیکھ کر کانوں پر ہاتھ رکھتا تھا۔ بری سے بری گالیاں اس کا تکیہ کلام تھیں اور کوئی ذلیل سے ذلیل حرکت ایسی نہ تھی جو اس کے زیر مشق نہ ہو۔ دن بھر ایک ذرا سا لنگوٹا باندھے ننگے سر ننگے پاؤں اور ننگے بدن گلیوں میں خاک اڑاتا اور اپنے ساتھ محلے کے بچوں کو بھی خراب کرنا اس کا روز کا مشغلہ تھا اور آتے جاتے راہ گیروں کو چھیڑنا اور اگر انہیں

غصہ آ جائے تو پھر خود ہی انھیں مغلظات گالیاں سنانا اس کی معمولی ادا تھی۔ محلہ میں ہر شخص نے اپنے بچوں کو منع کر دیا تھا کہ مصطفےٰ کے ساتھ نہ کھیلا کریں مگر وہ کسی نہ کسی ترکیب سے پانچ سات لڑکوں کو جمع کر ہی لیتا تھا اور کئی ایک شریف بچے اس وقت تک مصطفےٰ کے فیض صحبت سے گالیاں بکنے جھوٹ بولنے اور ہر قسم کی تکلیف دہ شرارتیں کرنے میں ماہر کامل ہو گئے تھے۔ مصطفےٰ کا کھیل محلہ کی گلیوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اکثر وہ اپنے یاران طریقت کو ساتھ لے کر شہر سے باہر بھی چلے جایا کرتے تھے اور جب شام کو وہاں سے واپس آتے تھے تو ہر ایک لڑکے کے پاس اس مال غنیمت کا حصہ ہوتا تھا جو کسی کھیت یا کسی باغ کی تباہی سے ان کے ہاتھ لگا ہو۔ شیخ جی کے مرنے سے مصطفےٰ کی آزادی اور آوارگی اور بھی بڑھ گئی اور اب محلہ بھر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اسے دیکھ کر یہ نہ کہہ دیتا ہو کہ ولی کے گھر شیطان پیدا ہوا ہے۔ مصطفےٰ کے مکان کے قریب ہی ایک صاحب محمد فاروق رہا کرتے تھے۔ فاروق صاحب نہر کے محکمہ میں اورسیر تھے اور خدا نے انھیں بہت کچھ دے رکھا تھا۔ ان کی بیوی ایک نہایت شریف خاندان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت تھیں اور میاں بیوی میں باہم بے حد محبت اور خلوص تھا۔ فاروق صاحب اپنی ملازمت کے سلسلہ میں اکثر گھر سے باہر ہی رہا کرتے تھے اور سال بھر میں ایک آدھ پھیرا گھر کا ہوا کرتا تھا۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے۔ شیخ صاحب کو مرے ہوئے ایک سال کے قریب ہو چکا تھا۔ فاروق صاحب نے اس مرتبہ اچھی طرح گھر رہ کر آرام کرنے کے لئے چھ مہینے کی رخصت لی تھی اور انھیں آئے ہوئے ابھی صرف کوئی پندرہ روز ہوئے

تھے۔ ایک روز وہ کسی کام کے لئے باہر جا رہے تھے کہ انھوں نے یہ تماشا دیکھا کہ ایک سفید پوش راہرو کے کپڑوں پر نالی کے غلیظ پانی کی تمام چھینٹیں پڑی ہوئی ہیں اور وہ مصطفےٰ کا بازو پکڑے ہوئے اسے دھمکا رہے ہیں اور اس کے جواب میں مصطفےٰ اظہار ندامت کرنے یا معافی مانگنے کی بجائے انھیں نہایت خراب قسم کی گالیاں دے رہا ہے۔ فاروق صاحب کے دل پر یہ دیکھ کر ایک چوٹ سی لگی اور انھوں نے دل ہی دل میں کہا کہ اچھا خاصہ کسی شریف کا بچہ محض تربیت نہ ملنے کی وجہ سے کس قدر بگڑ گیا۔ فاروق صاحب یہی سوچتے ہوئے چلے گئے۔ اور جب واپس آئے تو دیکھا کہ اتفاق سے مصطفےٰ پھر اپنے تین چار دوستوں کے ہمراہ گلی میں کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ فاروق صاحب اولاد کے معاملہ میں بہت بدقسمت تھے۔ اتنی عمر میں ان کے صرف دو بچے ہوئے اور دونوں شیر خوارگی ہی کے زمانہ میں مر گئے۔ انھیں اور ان کی بیوی کو بچوں کے پالنے کا بڑا ارمان تھا۔ فاروق صاحب کو خیال آیا کہ اگر کسی طرح اس بچے کو تربیت دے کر اس کی اصلاح کر دی جائے تو ایک قومی خدمت بھی ہو اور چھٹی کا زمانہ بھی بہت ہی دلچسپ مشغلوں میں بسر ہو جائے۔ آدمی تھے عزم اور ارادے کے مضبوط۔ اس لئے فوراً ہی آمادہ ہو گئے اور جب مصطفےٰ کے قریب پہنچے تو مسکرا کر بہت ہی مہربانی کے لہجے میں اس سے پوچھا۔

فاروق۔ میاں صاحبزادے آپ اسی محلہ میں رہتے ہیں؟

مصطفےٰ۔ (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) ہمارا گھر بھی سامنے والا ہے تمہارا کیا مطلب ہے۔

فاروق ۔ بھائی اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نیاز دلوانی تھی اور ہم مٹھائی لانی بھول آئے ۔ کمزوری کی وجہ سے اب اتنی ہمت نہیں پڑتی کہ پھر بازار تک جائیں ۔ اگر تم اتنی مہربانی کرو کہ قریب کے حلوائی کی دوکان سے ایک روپیہ کی مٹھائی لادو تو ہم تمہیں ایک آنہ پیسہ بھی دیں گے اور نیاز کی شیرینی تو تم جانتے ہو تقسیم ہی کرنے کے لئے ہوتی ہے (روپیہ نکال کر مصطفیٰ کو دیا)

مصطفیٰ کو مدتیں ہوچکی تھیں کہ کسی آدمی نے اس سے خوش ہوکر یا مہربانی سے بات نہیں کی تھی ۔ فاروق صاحب کا طرز کلام اس کے لئے بہت ہی عجیب سی چیز اور بے حد دلکش ثابت ہوا ۔ اس نے ان پر سر سے پاؤں تک ایک نگاہ ڈالی اور گو اس کا دل ان کا کام کرنے کو نہ چاہتا تھا لیکن صرف ان کے لطف آمیز تبسم سے مجبور اور مرعوب ہوکر چپکے سے روپیہ لے لیا اور پوچھا کہ آپ کون سے مکان میں رہتے ہو ؟"

فاروق ۔ (آپ کے لفظ پر مسکراکر) اس گلی میں سامنے والا مکان میرا ہی ہے جس دروازے پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔ ذرا لپکے ہوئے چلے جاؤ اور مٹھائی اچھی لانا ۔

مصطفیٰ بازار کو گیا اور فاروق صاحب مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور بیوی سے بولے ۔

فاروق ۔ آج تمہارے دل بہلانے کا ایک مشغلہ پیدا کیا ہے ۔ اب تمہارا دل خوب بہلے گا اور تم بہت خوش رہا کروگی ۔

آمنہ ۔ پنگ پانگ کی طرح کا کوئی کھیل اور خرید لائے ہوگے تمہیں تو بس

روپیہ پھینکنا آتا ہے (اشتیاق سے) ... کیا ہے کیا۔ دیکھوں تو سہی۔

فاروق۔ کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ ایک عجیب و غریب کھلونا ہے۔

آمنہ۔ (ہنس کر) اچھا تو اب میں بچوں کی طرح گڑیاں کھیلا کروں گی؟

فاروق۔ کیا کچھ حرج ہے؟ وہ کھلونا بڑا خوبصورت ہے اور عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرح جو بات اسے سکھا دو سیکھ جاتا ہے۔

آمنہ۔ (تنک کر) اے ہٹو بھی۔ تمہاری بھی ایسی ہی باتیں ہوا کرتی ہیں کھلونا نہ ہوا کوئی آدمی کا بچہ ہو گیا کہ سکھانے سے سب کچھ سیکھ جائے گا میں جانتی ہوں تم کسی انگریزی دوکان پر چلے گئے ہو گے۔ اس نے کوئی کمانی دار کتا یا اور کوئی کھلونا خواہ نخواہ تمہارے سر باندھ دیا ہوگا۔ اب مجھ سے اس کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔

فاروق۔ تم لاکھ عقلمند سہی مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کھلونے کے متعلق سمجھ سکو کہ وہ کیا چیز ہے۔

آمنہ۔ (مشتاق ہو کر) اچھا مجھے دکھا دو پھر میں بتا دوں گی کہ اس میں کیا حکمت رکھی ہے۔

فاروق۔ (ہنس کر) وہ اب آتا ہی ہو گا۔

آمنہ۔ اے ہے تو وہ ایسا کتنا بڑا کھلونا ہے کہ جسے مزدور لا رہے ہیں۔ خدا ہی جانے تم کیا بلا خرید لائے ہو۔ بھلا ایسی فضول چیزوں پر روپیہ برباد کرنے سے کیا حاصل اتنا بڑا کھلونا کوئی روپے دو روپے میں تو ملا نہ ہو گا۔ بھلا میری

عمر دیکھو اور میرے لیے کھلونے خریدنا دیکھو۔ تمہاری بھی کیا باتیں ہیں۔ گھر میں کوئی بچہ ہوتا تو ایک نہیں دس کھلونے خرید لائے ہوتے۔

فاروق۔ نہیں بچوں کا بڑا ارمان ہے اور سچ یہ ہے کہ ہر عورت کو ہونا چاہیئے اچھا اگر تمہارے لئے کوئی بچہ لا دیں تو خوشی ہو گی۔

آمنہ۔ تم تو ہر وقت مذاق کیا کرتے ہو۔ اچھا اب بتاؤ کہ کیا چیز لائے ہو۔

فاروق۔ بیگم واقعہ یہ ہے کہ میں تمہارے لئے ایک بچہ ہی لایا ہوں۔ ایک شریف کا بچہ ہے۔ مگر تعلیم و تربیت نہ ملنے کی وجہ سے سخت آوارہ اور بدمعاش ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم تم مل کر اس بچے کی اصلاح کر دیں۔ اگر ہمارا اپنا کوئی بچہ نہیں ہے تو ایک دوسرے کے بچے کو تربیت دے کر اگر ہم اس کی زندگی سدھار دیں گے تو بھی ایک بہت بڑی قومی خدمت ہو گی اور ہمارا بچوں کو تربیت دینے کا ارمان بھی ایک حد تک پورا ہو جائے گا۔ میں اسے ایک بہانے سے بلا آیا ہوں۔ ابھی مٹھائی لے کر آتا ہو گا۔ اب مجھے تمہاری قابلیت دیکھنی ہے کہ تم کس طرح اسے اپنے جال میں پھانستی ہو۔ اور کس طرح اس وحشی درندے کو اپنی محبت کا بندہ بناتی ہو۔ تاکہ وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمہارے پاس رہا کرے۔

آمنہ۔ ایک عجیب انداز سے منہ بنا کر۔ اچھا تو اب میں پرائے بچوں کو پالا کروں گی۔ مجھ میں کچھ قابلیت نہیں ہے۔ آپ خود کوشش کیجئے۔ میں بھی دعا مانگ لیا کروں گی۔ کہ خدا آپ کو کامیاب کرے۔ بھلا غضب خدا کا! بگڑے ہوئے بچے بھی کہیں بنا کرتے ہیں۔ بچوں کو تو شروع ہی سے جیسا اٹھایا

جلائے ویسے اٹھتے ہیں۔ اب سوکھی لکڑی کو کوئی کس طرح موڑے گا۔

فاروق۔ تربیت کا کمال تو اسی وقت معلوم ہوتا ہے کہ جب بگڑے ہوئے کو سدھارا جائے۔

آمنہ۔ (منہ بنا کر) جی تو آپ کو منع کون کرتا ہے۔ آپ اپنے فن کا کمال دکھائیے۔

فاروق۔ اگر میں نے ایسا کیا اور تمہاری دعاؤں کی بدولت کامیاب بھی ہو گیا تو پھر تمہیں کچھ شرم تو نہ آئے گی۔

آمنہ۔ (ہنس کر) مجھے شرم کیوں آئی۔ شرم اسے آئے جس نے اسے بگاڑا ہے۔

فاروق۔ اچھا یہ باتیں تو پھر ہوتی رہیں گی۔ وہ لڑکا اب آتا ہی ہوگا۔ کوئی بارہ تیرہ برس کی عمر ہے۔ شکل و صورت سے شریف زادہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی محلہ میں رہتا ہے۔ میں تو گھر پر کبھی رہتا نہیں اس لئے واقف نہ تھا مگر غالباً تم اسے پہچانتی ہوگی۔ وہ انتہا سے زیادہ شریر اور بدمعاش ہے اور اگر کوئی خاص لالچ نہ ہوا تو ہرگز ہمارے گھر نہ آیا کرے گا۔ تم کوئی ایسی ترکیب سوچ رکھو کہ وہ آنے جانے لگے اور آہستہ آہستہ ہم سے مانوس ہو جائے۔

آمنہ۔ (مسکرا کر) تم تو اس طرح کہہ رہے ہو کہ جیسے میں راضی ہی ہو گئی ہوں۔ میں نے اسے دیکھا نہیں بھالا نہیں۔ پھر بھلا میں ابھی سے کیسے اس قدر مشکل کام کے لئے تیار ہو جاؤں۔ میں اسے دیکھ لوں تو پھر کچھ ارادہ قایم کروں گی۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دروازہ پر مصطفےٰ نے آواز دی اور فاروق

صاحب نے جواب میں کہا کہ "بھائی اندر چلے آؤ" مصطفےٰ مٹھائی لئے ہوئے اندر آیا۔ مگر کسی قدر جھجکتا اور گھبرایا ہوا سا تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر میں اس قدر صاف ستھرا گھر۔ ایسا نفیس صحن ایسی خوبصورت کیاریاں اور پھول اور اس درجہ حسین بیگم نہ دیکھی تھی وہ کچھ بھونچکا سا رہ گیا اور کبھی آمنہ کو دیکھتا تھا اور کبھی گھر کی عمدہ اور نفیس چیزوں کو۔ اس کا اپنا گھر گندگی اور غلاظت کا توشہ خانہ تھا اور اس کی ماں اگرچہ بدصورت نہ تھی۔ لیکن آمنہ کی طرح حسین بھی نہ تھی۔ فاروق صاحب نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو مسکرا کر بہت ہی مہربانی کے لہجہ میں کہا کہ بھائی تم تو ابھی بچے ہو تم سے کیا پردہ ہے۔ آؤ بیٹھ جاؤ" اور پھر بیوی سے مخاطب ہو کر بولے کہ اس محلہ بھر میں یہ بچہ بہت ہی نیک اور شریف ہے کوئی اور بچہ ہوتا تو میرے کہنے سے ہرگز بازار تک نہ جاتا۔ مگر اس بے چارے نے فوراً مجھ سے روپیہ لے لیا اور بہت ہی خوشی کے ساتھ میرا کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا مصطفےٰ سے "کیوں میاں صاحبزادے تمہارا نام کیا ہے"؟

مصطفےٰ۔ محمد مصطفےٰ۔ اور آپ کا کیا نام ہے؟

فاروق۔ (مسکرا کر) میرا نام محمد فاروق ہے اور یہ میری بیوی ہیں۔ کیا تم پہلے کبھی ہمارے گھر نہیں آئے تھے۔

مصطفےٰ۔ ہم آپ کے گھر کاہے کے لئے آتے۔

آمنہ۔ بھیا تم کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ نا۔ اے ہے کیسا غریب اور اچھا بچہ ہے مجھے تو یہ بہت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں بھیا تمہاری والدہ ہیں؟

مصطفےٰ۔ (آمنہ سے گفتگو کرتے وقت مصطفےٰ کا لہجہ اس قدر کرخت نہ رہا)

جی ہاں ہیں۔

آمنہ۔ اے ہے میں کسی طرح ان سے ملتی! ان کا بچہ ایسا اچھا ہے تو وہ بھی بہت اچھی ہوں گی۔ جانے تمہارا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟

مصطفیٰ۔ بہت دور نہیں ہے اس طرف والی گلی میں ہے۔

آمنہ۔ تو بھیا تم ہمارے گھر آ کے کھیلا کرو۔ ہمارے گھر کی انگنائی بھی بڑی سی ہے اور پتنگیں اڑانے کے لئے چھتیں بھی خوب بڑی بڑی ہیں۔

پتنگ کا نام مصطفیٰ کے لئے بہت جاذب توجہ ثابت ہوا۔ اور اب انھوں نے گفتگو میں حقیقی دلچسپی لینی شروع کی۔

مصطفیٰ۔ ہمارے پاس نہ ڈور ہے نہ پتنگ۔ ہماری امی جان کبھی ہمیں پیسے نہیں دیتیں جو ڈور لائیں۔

آمنہ۔ تم روز ہمارے گھر آ کر کھیلا کرو۔ تو ہم تمہیں بہت سی ڈور اور پتنگیں منگا دیں گے۔

مصطفیٰ۔ شیر مار ریل دو آنے کو آتا ہے۔ حافظ جی کی دوکان سے اس دن نعیم اللہ لایا تھا اس کے پاس چرخی بھی ہے اس پر بہت سی ریلیں چڑھی ہوئی ہیں۔

آمنہ۔ ہم تمہارے لئے چرخی بھی منگا دیں گے اور شیر مار ریلیں بھی اب تم ذرا منہ ہاتھ دھو ڈالو اور تھوڑی سی مٹھائی کھالو۔

مصطفیٰ۔ ہم نہیں کھائیں گے۔

آمنہ۔ یہ تو نیاز کی ہے، اس کے کھانے سے کوئی انکار کرتا ہے! آؤ ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہارا منہ دھلا دیں۔ گرمی میں تم بھاگتے ہوئے بازار گئے

تھے۔ تمام پسینہ بہہ رہا ہے۔

مصطفےٰ کسی قدر جھجکتا ہوا آمنہ کے ساتھ ہو لیا۔ آمنہ نے اسے منہ دھونے کی چوکی پر بٹھایا اور خود دوڑ کر پانی اور صابن دانی لائی۔ مصطفےٰ نے خوب اچھی طرح صابن مل کر ہاتھ منہ دھویا۔ آمنہ تولیہ لئے کھڑی تھی اس سے کہ ہاتھ منہ پونچھا اور پھر ایک اچھے خاصے فرماں بردار لڑکے کی طرح آمنہ کے ساتھ ساتھ دالان میں آیا۔ دالان میں نہایت خوبصورت ٹائلوں کا فرش تھا۔ مصطفےٰ کے پاؤں بہت ہی میلے ہو رہے تھے۔ فرش پر جابجا دھبے پڑ گئے۔ مصطفےٰ کو تو اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ اس کے میلے پاؤں سے فرش میلا ہو گیا ہے لیکن ہوشیار آمنہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کہا۔

آمنہ۔ تم کچھ خیال نہ کرو۔ فرش پر دھبے پڑ گئے تو پڑ جانے دو۔ ہم دھو ڈالیں گے اور کل کو تمہارے لئے ایک اچھا سا جوتا بھی منگا دیں گے اس گرمی میں جلتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں چلنے میں تکلیف ہوتی ہو گی۔

مصطفےٰ۔ (کسی قدر شرمندہ سا ہو کر) ہمارے گھر جوتا رکھا ہوا ہے۔ ہم نے پہنا نہیں تھا۔

آمنہ۔ جوتا ہے تو اور بھی اچھی بات ہے اب گھر جا کر پہن لینا ننگے پاؤں پھرنے سے تمہارے پاؤں بدصورت ہوتے جا رہے ہیں۔ تمہارے ہاتھ ایسے خوبصورت ہیں۔ تمہارا منہ اس قدر اچھا ہے اور پاؤں جوتا نہ پہننے کی وجہ سے بدشکل ہو چلے ہیں۔ اب جوتے کی عادت ڈال لو گے تو پاؤں بھی اچھے ہو جائیں گے۔

فاروق نے اشارہ کیا تو مصطفےٰ ایک قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مگر بیٹھنے کا انداز کچھ ایسا اوپری اوپری اور بے ڈھنگا تھا کہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس سے پیشتر اسے کبھی کرسی پر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ دالان کی صفائی اور ہر ایک چیز کی نفاست اور خوبصورتی نے اس کے اوسان بالکل کھو دئے تھے اور مصطفےٰ ایک دیوانے گیدڑ کی طرح جو بستی میں آ گیا ہو حیران و پریشان ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کہاں آ گیا ہوں۔ اس کے رہے سہے حواس اس شرمندگی کی وجہ سے اور بھی جاتے رہے جو اپنے میلے پیروں کی وجہ سے اسے ہوئی تھی اور ادھر اُدھر سے نگاہ ہٹ کر جب نیچے کی طرف جھکتی تھی تو جنگل کے مور کی طرح وہ اپنے پیروں کی غلاظت اور بدنمائی کو دیکھ کر پانی پانی ہو جاتا تھا۔

آمنہ نے لا کر جلدی سے اس کے سامنے ایک چھوٹی سی خوبصورت میز بچھا دی جس پر ایک بہت ہی خوش نما میز پوش پڑا ہوا تھا اور چینی کی صاف ستھری طشتریوں میں کچھ مٹھائی اور کچھ پھل وغیرہ لا کر رکھ دئے اور انتہائی محبت کے ساتھ مصطفےٰ سے کھانے کے لئے کہا۔ مصطفےٰ بہت دیر تک تو شرماتا رہا۔ لیکن جب حد سے زیادہ اصرار ہوا تو اس نے مٹھائی کھانی شروع کر دی۔ آمنہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور پنکھا جھلنے لگی۔

آمنہ۔ اے ہے نگوڑی گرمی کس بلا کی پڑ رہی ہے، تم نے اس وقت بچے کو بازار ناحق بھیجا ابھی تک اس کا پسینہ نہیں سوکھا ہے۔

فاروق۔ اب تو مجھے بھی افسوس ہے مگر اصل یہ ہے کہ اس وقت مجھ میں توانی

ہمت تھی نہیں کہ پھر بازار جاتا اور مصطفےٰ کی صورت سے یہ معلوم ہوا کہ شریف بچہ ہے انکار نہ کرے گا اس لئے میں نے ان سے کہا اور یہ چلے گئے۔

آمنہ۔ آج شام کو جب تم بازار جاؤ تو یاد کرکے مصطفےٰ کے لئے ریلیں لیتے آنا (مصطفےٰ سے مخاطب ہوکر) بھیا تم نے کون سی ریلیں بتائی تھیں کہ اچھی ہوتی ہیں

مصطفےٰ۔ پری مار بھی اچھی ہوتی ہیں اور شیر مار بھی۔

فاروق۔ اچھا تو دونوں طرح کی لادیں گے۔

مٹھائی کھانے کے بعد ایک مرتبہ پھر مصطفےٰ کو ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑی جو اس کے لئے ایک نئی بات تھی اور اس کے بعد دوسرے دن آنے کا وعدہ لے کر انہیں رخصت کر دیا گیا۔

دوسرا باب

فاروق کو خیال تھا کہ مصطفےٰ کو دوسرے روز آنے میں ضرور شرم آئے گی اور بہت ممکن ہے کہ وہ نہ آئے اس لئے مقررہ وقت سے کچھ پہلے گھر سے نکل کر گلی میں آ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ اگر مصطفےٰ گھر سے نکلے تو اسے کسی ترکیب سے بلا لائیں۔ فاروق کا خیال غلط نہ تھا جہاں مصطفےٰ پر ان کے گھر جانے کا یہ اثر ہوا تھا کہ وہ آمنہ کو دنیا بھر کی سب سے نیک اور اچھی عورت خیال کرنے لگا تھا اور ڈور پتنگوں کا لالچ بھی اسے بار بار ابھار رہا تھا کہ اپنے نئے مہربانوں کی فیاضی سے فائدہ اٹھائے وہاں اس گھر کی صفائی اور سامان تعیش نے اس کے حواس بھی باختہ کر دئے تھے اور ادھر جانے کا ارادہ کرتے ہی اسے ایک جھجک سی محسوس ہوتی تھی اور کسی طرح ہمت نہ پڑتی تھی کہ قدم اٹھائے وہ کئی دفعہ ہمت کر کے گھر کے دروازہ تک آیا اور پھر لوٹ گیا۔ بالآخر اس نے ارادہ کیا کہ اپنے دوست رشید کو ساتھ لے کر فاروق کے یہاں جائے اور جب وہ رشید کو بلانے کے لئے گھر سے نکلا تو راستہ میں اسے فاروق ٹہلتے ہوئے مل گئے جو اس کے منتظر تھے۔

فاروق۔ (مسکرا کر) کیوں بھئی مصطفےٰ کیا ہمارے گھر جا رہے ہو۔

مصطفےٰ چاہتا تھا کہ جواب میں یہ کہہ دے کہ وہ اپنے ایک دوست کے

یہاں جا رہا ہے مگر فاروق کی مسکراہٹ میں کچھ ایسی محبت بھری ہوئی تھی کہ اس کی زبان سے سوائے "ہاں" کے اور کچھ نہ نکل سکا۔

فاروق۔ ہم تمھارے لئے ریلیں تو کل ہی لے آئے تھے۔ مگر بھائی پتنگیں تمھیں خود لانی پڑیں گی۔ ہمیں پتنگوں کی پہچان نہیں ہے۔

مصطفےٰ کی ہمت کسی قدر بڑھ گئی اور اس نے پوچھا۔

مصطفےٰ۔ ریلیں تم کتنی لائے ہو؟

فاروق۔ ہم پوری ایک درجن لے آئے تھے۔ تمھیں جتنی ضرورت ہو لے لینا۔

ایک درجن ریلوں کا نام سن کر مصطفےٰ کے قدم نہایت تیزی کے ساتھ اٹھنے لگے اور اب اس بات کا مطلق افسوس نہ رہا کہ وہ رشید کے گھر نہ جا سکا۔

مصطفےٰ کی ہیئت کذائی میں آج بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ننگے سر، ننگے بدن ننگے پاؤں صرف ایک ذرا سی لنگوٹی باندھے وہ فاروق کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ سر اور جسم پر نہ معلوم کتنے دنوں سے برابر خاک مٹی جم رہی تھی اور اس پر پسینہ نے بہہ بہہ کر عجیب و غریب قسم کی لکیریں پیدا کر دی تھیں اور میل اور غلاظت کے اس مجسمہ کو کوئی اپنے پاس کھڑا رکھنے کا بھی روادار نہ ہو سکتا تھا۔ مصطفےٰ کو خیال آیا تھا کہ آج وہ جوتی پہن کر فاروق کے یہاں جائے گا۔ مگر اس سوءِ اتفاق کو کیا کہا جائے کہ وہ رشید کے گھر جانے کے لئے نکلا اور پکڑا گیا۔ دروازہ پر پہنچ کر مصطفےٰ کچھ رُکا تو فاروق نے چلو کہہ کر اس کی ہمت بڑھا دی اور وہ کچھ رکتا اور جھجکتا ہوا پتنگ بازی کے شوق میں گھر کے اندر آ ہی گیا۔ آمنہ کے پھول کی طرح شگفتہ چہرے نے جس پر ہمت افزا مسکراہٹوں کی کوئی کمی نہ تھی

اس کی شرم اور جھجک میں کمی پیدا کی اور جب ایک درجن ریلیں میز پر یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی اسے دکھائی گئیں تو اب وہ تقریباً بالکل بے تکلف تھا۔

مصطفیٰ۔ (انتہائی شوق اور خوشی سے) اتنی بہت سی ریلیں! چرخی بڑی اچھی ہے! میں ان ریلوں کو چرخی پر چڑھا دوں۔

آمنہ۔ تمہاری چیز ہے جس طرح تمہارا جی چاہے رکھو۔

دالان میں ٹائلوں کے فرش نے مصطفیٰ کو کل کا واقعہ پھر یاد دلایا اور اسے سخت شرمندگی اور ندامت ہوئی کہ وعدہ کر لینے کے باوجود وہ آج بھی ننگے پاؤں تھا ایک عالم بے اختیاری میں اس کے منہ سے نکل گیا کہ میں رشید کے گھر جا رہا تھا یہ راستہ میں سے مجھے اپنے ساتھ لے آئے نہیں تو میں ضرور جوتی پہن کر آتا۔

آمنہ کا دلکش تبسم پھر ایک دفعہ کام آیا اور معاملہ رفت و گذشت ہو گیا

دالان میں مصطفیٰ نے آج ایک نئی چیز دیکھی جس نے اسے محو حیرت بنا دیا اور یہ ایک قد آدم آئینہ تھا جو ایک نہایت خوبصورت الماری کے سامنے کواڑوں کے بجائے لگا ہوا تھا۔ عمر بھر میں اگر پہلا نہیں تو شاید یہ دوسرا یا تیسرا موقع تھا کہ مصطفیٰ نے اپنی صورت دیکھی اور اپنے پورے قد کا عکس تو یقیناً اس سے پیشتر کبھی اس کی نگاہ سے نہ گذرا تھا اس درجہ غلیظ اور مکروہ جسم کی تصویر آئینہ میں دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا اور یہ واقعہ ہے کہ تھوڑی سی دیر تک تو بالکل اسکی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ خود اسی کا عکس ہے۔ گھر کی زمین دیواریں، میز، کرسیاں چارپائیاں برتن، اور آدمی حتیٰ کہ ان آدمیوں کے جوتے بھی اس کے جسم سے

ہزار گنا زیادہ صاف تھے اور تمام عمر میں آج پہلی مرتبہ مصطفےٰ نے محسوس کیا کہ تمام دنیا میں اس سے زیادہ غلیظ اور گندہ انسان ہونا ممکن نہیں ہے اور اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس کے بدن کا میل اس گھر کی ہر ایک صاف اور ستھری چیز کو میلا کئے دیتا ہے وہ ڈور اور پتنگ کی خوشی کو بالکل بھول گیا اور انتہائی شرم و ندامت کی وجہ سے اسے گھر میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا ۔ اس وقت مصطفےٰ کی دلی خواہش یہ تھی کہ زمین پھٹ جاتی اور وہ سما جاتا ۔

آمنہ اس صورت حالات کے لئے پہلے سے تیار تھی ۔ اپنی اسی مخصوص دلربا مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا ۔

آمنہ سلے ہے اس نگوڑی گرمی نے تو ناک میں دم کر دیا ہے اوپر سے ان آندھیوں کی وجہ سے ہر وقت خاک مٹی اڑتی رہتی ہے ۔ گرمی کے مارے بچوں سے کپڑے پہنے نہیں جاتے اور پسینہ آ کر تمام خاک بدن پر جم جاتی ہے بھیا مصطفےٰ ! ہم تو جانیں تم پہلے نہا ڈالو ۔ ذرا بدن ٹھنڈا ہو جائے تو پھر پتنگ اڑانا ۔ یہ تمہیں راستہ سے پکڑ لائے نہیں تو تم اپنے گھر بھی اس وقت ضرور نہاتے یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے وہاں نہ نہائے یہاں نہا لیئے ۔

مصطفےٰ سخت پریشان اور بدحواس تھا ۔ اس طرح اپنے جسم کی غلاظت کے لئے ایک معقول عذر اور اس کی صفائی کا ایک نہایت اچھا ذریعہ نکل آیا تو ذرا اس کی پریشانی رفع ہوئی اور اس نے کہا " اچھا "

آمنہ نے جلدی سے صحن میں ایک لکڑی کی تپائی بچھا کر مصطفےٰ کو اس پر بٹھا دیا اور ابٹنا مل کر تمام بدن کا اچھی طرح میل صاف کر دیا ۔ اس کے بعد مصطفےٰ

کو غسل خانہ میں پہنچا دیا گیا اور صابون اور تولیہ وغیرہ تمام ضروری اشیاء مہیا کر دی گئیں۔ فاروق کے پرانے سلیپر دے دئے گئے کہ نہا کر انھیں پہن لیا جائے اور ایک بڑا سا تولیہ نہا کر باندھنے کے لئے رکھ دیا گیا۔ مصطفیٰ کو نہائے مدتیں گزر چکی تھیں اور پھر اس لطف اور اس تکلف سے نہانا تو اسے کبھی کاہے کو نصیب ہوا تھا۔ سر سے کسی قدر اونچا نل تھا اور نل میں فوارہ لگا ہوا تھا۔ نل کھولتے ہی مصطفیٰ کے جسم پر پانی کی بارش ہونے لگی اور اسے ایسی کیفیت اور ایسی راحت محسوس ہوئی کہ بے ضرورت بھی بہت دیر تک نہاتا رہا۔

غسل سے فارغ ہو کر مصطفیٰ پھر دالان میں پہنچا۔ اس عرصہ میں وہاں چار کی میز بچھا دی گئی تھی اور فاروق اور آمنہ دونوں چار پینے کے لئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کرسی پر بیٹھتے وقت مصطفیٰ کی نگاہ پھر اس بڑے آئینہ پر پڑی اور اس نے محسوس کیا کہ اب وہ کوئی بالکل بدلا ہوا لڑکا ہے۔ اسے اپنا صاف اور شفاف جسم آئینہ میں بہت ہی بھلا معلوم ہوا۔ اور اگر فاروق اور آمنہ کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ گھنٹوں اپنی صورت دیکھتا رہتا۔ جب سب چار پی چکے تو فاروق مصطفیٰ کو ساتھ لے کر پتنگ بازی کے لئے چھت پر چلے گئے۔ اور آمنہ نے جلدی جلدی اس کا وہ کپڑا جو لنگوٹ کے طور پر باندھے ہوئے تھا دھو کر پھیلا دیا۔ آج کا تقریباً تمام وقت مصطفیٰ کو چرخی پر ریلیں چڑھانے میں گذر گیا اور فاروق برابر اس طرح اسے مدد دیتے رہے کہ گویا وہ خود بھی اسی کے ہم عمر تھے اور پتنگ بازی سے انھیں انتہائی دلچسپی تھی۔ مسلسل اتنے عرصہ کی یکجائی نے مصطفیٰ کو پہلے سے بہت زیادہ بے تکلف بنا دیا اور شام کے قریب جب

آمنہ چھت پر گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ مصطفیٰ بہت کافی بے تکلفی کے ساتھ باتوں میں مشغول ہے۔ شام کو گھر جانے سے پہلے مصطفیٰ نے جب یہ دیکھا کہ اس کا میلا کچیلا لنگوٹ بھی دھو کر صاف کر دیا گیا ہے تو اس نے بڑی ممنونیت کے انداز میں آمنہ سے پوچھا۔

مصطفیٰ:۔ یہ لنگوٹ تم نے دھویا تھا۔

آمنہ۔ ہاں بھیا، جلدی میں صاف تو نہ ہو سکا۔ میں نے ہی دھو کے پھیلا دیا تھا۔

گھر جاتے وقت راستہ بھر مصطفیٰ کا دل فاروق اور آمنہ کی محبت اور عظمت کے جذبات سے پُر رہا اور رات کو جب وہ سونے کے لئے لیٹا تو اس کے دل میں یہ تمنا تھی کہ کب صبح ہو اور کب میں ان کے گھر جاؤں ماں سے اسے پہلے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی مگر اپنی اس خوش بختی میں وہ رشید کو ضرور شریک کرنے کا خواہش مند تھا جس سے اسے بہت محبت تھی۔

تیسرا باب

مصطفیٰ کو فاروق کے یہاں جاتے ہوئے ایک ہفتہ گذر چکا ہے اور اس عرصہ میں اس نے آمنہ سے اس بات کی اجازت بھی حاصل کر لی کہ رشید کو اپنے ساتھ لے آیا کرے۔ فاروق اور آمنہ دونوں اس کی پتنگ بازی اور دوسرے کھیلوں میں پورا پورا حصہ لیتے ہیں اور انتہائی دلچسپی کا اظہار کیا کرتے مصطفیٰ اب اس گھر کا اس قدر مرید ہو گیا ہے کہ دن کا بیشتر حصہ یہیں گذارا کرتا ہے اس کی ظاہری حالت میں بھی اتنی تبدیلی ہو گئی ہے کہ اب وہ ننگے بدن پھرنے کی بجائے کرتا اور پاجامہ پہنے ہوئے فاروق کے گھر آتا ہے اور یہاں آمنہ روزمرہ اسے نہلا دیا کرتی ہے۔ اس کے پاؤں بھی اب جوتی کی قید سے آشنا ہو گئے ہیں اور اگر صرف ظاہری حالت سے اندازہ کیا جائے تو بمشکل کوئی اسے شریر یا بدمعاش کہہ سکتا ہے ان ظاہری تبدیلیوں کے علاوہ اس میں اگر کوئی اور تبدیلی ہوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ اس کے دل میں آمنہ کی بے حد محبت اور عظمت قائم ہو گئی ہے اور تقریباً ایسی حالت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اب آمنہ کے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کی زبان ابھی تک ویسی ہی گندی ہے اور رشید کے ساتھ گفتگو کرنے میں گالیوں کا نہایت آزادانہ استعمال ہوا کرتا ہے۔ ہر بات کے شروع

میں بلا ضرورت "خدا پاک کی قسم" اور "قسم خدا کی" اب بھی اس کا تکیہ کلام ہے اور "تم" کے سوا وہ کسی کو آپ کہنا اب تک نہیں جانتا۔ لہجہ میں سختی اور درشتی اور مزاج میں انتہا درجہ کا غصہ بدستور قائم ہے اور کھیل میں جھوٹ بولنا اور بے ایمانی کرنا اسی طرح موجود ہے۔ آمنہ کی نگاہ بچا کر کبھی کبھی رشید کو مار بیٹھنا اور اپنی غلطی یا قصور پر اسے ڈرانا اور دھمکانا اور اگر وہ جواب دے تو لڑنے کے لئے آمادہ ہو جانا اب بھی روزمرہ کی باتیں ہیں۔ اس کے تقریباً ہر فعل سے اور ہر بات سے کمینہ پن، ظلم پسندی، دل آزاری اور مکر و فریب کی جھلک ظاہر ہوتی رہتی ہے اور اگر ابھی تک اس نے آمنہ یا فاروق سے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے تو اس کا باعث صرف یہی ہے کہ ان دونوں نے اپنی عقلمندی سے ایسا کوئی موقع آنے ہی نہیں دیا۔

ایک روز شام کو پتنگ بازی سے فارغ ہونے کے بعد آمنہ نے بھولی بن کر پوچھا۔

آمنہ۔ مصطفےٰ تم پڑھنے کون سے مدرسے میں جایا کرتے ہو۔

مصطفےٰ۔ ہم تو کہیں نہیں جاتے۔

آمنہ۔ اے ہے تم ماشاءاللہ اتنے بڑے ہو گئے اور ابھی تک تمہاری امی جان نے تمہیں کہیں پڑھنے کو نہیں بٹھایا۔

مصطفےٰ نے کسی قدر شرم کے ساتھ گردن جھکا لی اور کچھ جواب نہ دیا۔

آمنہ۔ تمہاری امی جان خدا جانے کیسی ہیں۔ تم اپنے برابر کے بچوں کو پڑھتے لکھتے دیکھتے ہو گے تو کیسا دل کڑھتا ہو گا۔

فاروق۔ اس میں غریب ماں کا بھی کیا قصور ہے۔ مصطفےٰ کے والد ہوتے

تو وہ اس کا انتظام کرتے۔

آمنہ۔ اوئی تو کون سا بڑا مشکل کام ہے۔ تم ہی کیوں نہ دو حرف بتا دیا کرو سب لڑکے پڑھتے لکھتے ہیں انھیں دیکھ دیکھ کر مصطفٰے کا دل کس قدر دکھتا ہوگا اور اس کے دل میں بھی ارمان آتا ہوگا کہ ہم بھی پڑھتے۔ چاہے تم پوچھ دیکھو مصطفٰے کو اس بات کا بڑا ملال رہتا ہوگا۔

اپنے جاہل ہونے کا ملال تو کیا معنی احساس بھی مصطفٰے کو کبھی نہ ہوا تھا۔ مگر آمنہ نے کچھ اس طریقہ سے پوچھا تھا کہ مجبوراً اسے یہی کہنا پڑا کہ اسے اپنے ناخواندہ ہونے کا افسوس اور رنج ہے۔ اس کی طرف سے اتنا سا سہارا پاتے ہی فاروق نے کہا۔

فاروق۔ مجھے مولویوں کی طرح تو پڑھانا آتا نہیں ہے کہ دن بھر بچہ کو بے معنی لفظ رٹا رٹا کر اس کی جان ہلاک کر دوں اور ذرا سی غلطی پر کئی کئی قمچیاں اس کے بدن پر توڑ دوں میں تو پیار محبت سے پڑھانا جانتا ہوں اگر مصطفٰے کا دل سچ مچ پڑھنے لکھنے کو چاہتا ہے تو انھیں خود کوشش کرنی پڑے گی مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ مٹھے بیل کی طرح انھیں مار مار کر آگے چلاؤں۔

آمنہ۔ تمھاری بھی کیسی باتیں ہیں مارنے پیٹنے کا یہاں کیا ذکر تھا۔ مصطفٰے کا دل نہ چاہتا تو وہ تم سے کہتا ہی کیوں۔ اللہ رکھے اتنی عمر ہونے کو آئی اور ابھی تک اسے نماز بھی ڈھنگ سے پڑھنی نہیں آتی۔ اسے دنیا کی کسی چیز کا حال معلوم نہیں پرانے بادشاہوں کی اور بڑے بڑے آدمیوں کی کہانیاں اس نے نہیں سنیں، اپنے ملک کے شہروں کا پہاڑوں کا دریاؤں کا غرضیکہ کسی چیز کا حال

کیا معنی نام تک بھی اس کے کانوں میں نہیں پڑا۔ بازار سے کچھ سودا سلف لے تو روپے کے پیسے تک اسے گننے نہیں آتے اور کتابوں میں ایسے اچھے اچھے قصے لکھے ہوتے ہیں۔ ان سب کے پڑھنے سے وہ محروم ہے۔ خدا ہی جانے اسے کس قدر غیرت آتی ہوگی اور رات دن اس کے دل پر کتنا رنج رہتا ہوگا وہ تو یہ کہو کہ وہ بڑا سیدھا اور غریب بچہ ہے، کوئی اور ہوتا تو رو رو کے اپنا خون کر لیتا اور اماں بندی کا ناک میں دم کر دیتا۔

فاروق۔ کیوں بھئی مصطفےٰ کیا سچ سچ تمہارا دل چاہتا ہے کہ لکھ پڑھ کر یہ سب باتیں معلوم کر لو۔

مصطفےٰ نے جب یہ سنا تھا کہ پڑھنا اور پٹنا ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ اور درحقیقت پڑھنے لکھنے کے لئے پٹنا ضروری نہیں ہے تو اسی وقت اس کی وحشت دور ہو چکی تھی۔ اور آمنہ کی زبان سے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ بادشاہوں کے قصے اور پہاڑوں اور دریاؤں کے حالات پڑھنے لکھنے سے معلوم ہو جائیں گے اس کے دل میں کسی قدر حقیقی شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ محلہ میں حافظ کریم بخش روز رات کو اپنی بیٹھک میں بیٹھ کر محلے کے بہت سے آدمیوں کو طلسم ہوشربا کی داستان سنایا کرتے ہیں اور اکثر اس کے دل میں ایسے موقعہ پر کہ جب حافظ صاحب نے کوئی داستان بیچ میں سے ناتمام چھوڑی ہو یہ شوق پیدا ہوا کرتا تھا کہ اگر پڑھنا آتا ہوتا تو خود اس دلچسپ داستان کو پڑھ کر ختم کر لیتا اس کے ساتھیوں میں اگرچہ کوئی اچھا طالب علم نہ تھا مگر ایسے کئی ایک لڑکے تھے جو کچھ نہ کچھ پڑھنا لکھنا ضرور جانتے تھے اور چونکہ فطرتی طور پر اس میں یہ خواہش

موجود تھی کہ اپنے ساتھیوں میں سب پر حکومت کرے اور سب پر فایق رہے اس لئے بسا اوقات ان کے تعلیم یافتہ ہونے سے اسے شرم سی محسوس ہوا کرتی تھی اور اس کے غرور کو صدمہ پہنچتا تھا۔ یہ سب باتیں اس وقت مصطفیٰ کے ذہن کے سامنے تھیں اور چونکہ یہ بھی اطمینان ہو چکا تھا کہ پٹنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے اس کے دل میں طلب علم کی تو نہیں، مگر کم از کم لکھنا پڑھنا سیکھ لینے کی حقیقی خواہش پیدا ہوئی اور اس نے ایک ایسے لہجہ میں کہ جس سے سچا شوق ٹپکتا تھا فاروق کے سوال کے جواب میں "ہاں" کہا۔

فاروق اور آمنہ برابر اس کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ کو بہ نظر غور دیکھتے رہے اور اس کے بشرہ پر شوق کے آثار دیکھ کر انھیں دلی خوشی ہوئی۔

فاروق ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصطفیٰ کو پڑھنے کا بیحد شوق ہے مجھے فرصت تو بہت زیادہ ہے نہیں مگر خیر ان کے لئے جس طرح بھی ہو گا وقت نکالوں گا اور چند ہی روز میں انھیں اس لایق کر دوں گا کہ اردو کی کتابیں اپنے آپ پڑھ لیا کریں۔

آمنہ ۔ تو پھر کل ہی سے شروع کیوں نہ کر دو۔ جو وقت تم مناسب سمجھو وہ انھیں بتا دو۔ شام کا وقت تو بتانا مت کیونکہ یہ وقت تو بچوں کے کھیلنے کا ہوتا ہے کوئی اور وقت تجویز کر دو۔

فاروق ۔ میرے خیال میں صبح تڑکے کا وقت بہت مناسب ہو گا۔ نماز پڑھ کر مصطفیٰ سیدھے یہاں آ جایا کریں۔ صبح کا ناشتہ بھی یہیں کر لیا کریں اور کچھ نہ کچھ پڑھ بھی لیا کریں۔

فاروق کے گھر کا ناشتہ ایسی چیز نہ تھی کہ جس کا نام سننے کے بعد مصطفیٰ

کی رال نہ ٹپک پڑتی مگر صبح کی نماز اور صبح تڑکے سو کر اٹھنا ایسی چیزیں تھیں کہ جن سے اب تک کبھی مصطفیٰ کے کان آشنا نہ ہوئے تھے اس کے چہرہ پر کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے اور عقلمند آمنہ فوراً سب کچھ سمجھ گئی۔

آمنہ۔ اے ہے تمھاری بھی نگوڑی کیا باتیں ہیں۔ اس غریب کو آج تک نماز سکھائی ہی کس نے جو وہ نماز پڑھا کرتا۔ اب میں سکھا دوں گی تو نماز بھی پڑھنے لگے گا اور میرے خیال میں تو اسے صبح اٹھنے کی بھی کسی نے عادت نہیں ڈالی ہے بچوں کو عادت ڈال دی جاتی ہے تو وہ صبح اٹھنے لگتے ہیں نہیں تو دنیا زمانے کے بچے دیر میں سو کر اٹھتے ہیں اور مصطفیٰ بھی ضرور دن چڑھے ہی اٹھتے ہوں گے۔

مصطفیٰ۔ جب خوب دھوپ نکل آتی ہے تب ہم اٹھا کرتے ہیں

فاروق۔ اچھا اگر ہم روز تمھارے گھر پر آواز دے لیا کریں تو تمھاری والدہ تمھیں جگا دیا کریں گی؟

مصطفیٰ۔ ہم ان سے کہہ دیں گے تو جگا دیا کریں گی۔

فاروق۔ اچھا تو تم اپنی امی جان سے کہہ دینا کہ ہم نے پڑھنا شروع کیا ہے اور مولوی صاحب ہمیں صبح تڑکے ہی جگانے آیا کریں گے۔ جب وہ آواز دیں تو ہمیں جگا دیا کرنا۔

مصطفیٰ:۔ اچھا۔

آمنہ۔ میں بھی کل پہلا دن ہے اس لئے ناشتہ کے لئے بہت اچھی اچھی چیزیں پکاؤں گی۔

چوتھا باب

فاروق حسب وعدہ علی الصبح نماز کے لئے مسجد جانے لگے تو راستے میں مصطفےٰ کے گھر پر آواز دی اور ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب پہلی ہی آواز میں مصطفےٰ گھر میں سے نکل آیا اور اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر سے جاگ رہا تھا۔ فاروق کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے نماز پڑھنی نہیں آتی اس لئے فاروق نے اسے اپنے گھر بھیجا کہ جا کر آمنہ سے وضو کرنا اور نماز پڑھنا سیکھے اور خود مسجد کو چلے گئے

مصطفےٰ کو کچھ تو پڑھنے کے شوق نے اور زیادہ تر ناشتہ کے لالچ نے صبح کو نماز کے وقت سے بھی بہت پہلے جگا دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ فاروق کو جاگتا ہوا ملا فاروق کی آواز پر وہ انتہائی شوق کے ساتھ باہر نکلا مگر فاروق کا یہ حکم کہ وہ نماز سیکھے اور پڑھا کرے اسے کچھ بہت اچھا نہ معلوم ہوا اس کے شوق میں کسی قدر کمی آگئی اور اب فاروق کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کی رفتار معمول سے بھی کسی قدر سست تھی جب وہ فاروق کے

گھر پہنچا تو آمنہ وضو کر چکی تھی اور نماز کے لئے کھڑی ہو رہی تھی۔ آمنہ نے اس کی رفتار اور اس کے چہرے سے بہت کچھ سمجھ لیا تھا اور جب مصطفےٰ نے ایک ایسی آواز سے کہ جس میں ذرا بھی گرم جوشی نہ تھی یہ کہا کہ ہمیں نماز سکھا دو تو وہ پورے طور پر سمجھ گئی کہ کیا واقعہ ہے

آمنہ:- ہے! ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے ابھی سے نماز سیکھ کے کیا کرو گے۔ جب اللہ رکھے سمجھ آجائے گی تو سیکھ لینا۔ تم بیٹھ جاؤ۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔

مصطفےٰ بیٹھ گیا اور اب وہ کسی قدر مطمئن تھا کہ نماز سیکھنے سے بچ گیا دماغ میں چونکہ اور کوئی خیال نہ تھا اس لئے اس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر لوگ نماز کیوں پڑھا کرتے ہیں۔ اسے اپنے والد کا خیال آیا کہ وہ ہر وقت مسجد ہی میں رہا کرتے تھے اور خدا جانے کس قدر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ پھر اس کا خیال اس طرف گیا کہ ہندو لوگ نماز کبھی نہیں پڑھتے اور اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ نماز کوئی ایسی چیز ہے کہ جو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مسلمان کے یہاں پیدا ہونے اور پرورش پانے کی وجہ سے خدا کا نام اکثر اس کے کانوں میں پڑ چکا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نماز بھی کوئی خدا ہی کا کام ہے ماں سے کبھی کبھی یہ بھی سُن لیا تھا کہ اللہ میاں خفا ہو جائیں گے تو کھانے کو نہیں دیں گے اس لئے اس کے غیر تربیت یافتہ دماغ میں خدا کا تخیل جو کچھ تھا وہ یہی تھا کہ وہ کھانے کو دیتا ہے مگر وہ کبھی اس بات کو سمجھ نہ سکا تھا کہ آخر خدا کس طرح کھانے کو دیا کرتا ہے۔ جب کہ بظاہر اس کا دونوں وقت کا کھانا اس کی ماں کے ہاتھوں سے اسے ملتا رہا ہے۔

مصطفےٰ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ آمنہ نماز سے فارغ ہوگئی اور اس کے پاس آکر پوچھا۔

آمنہ۔ تم نے ابھی غسل بھی تو نہیں کیا ہے؟

مصطفےٰ۔ نہیں ابھی نہیں کیا ہے۔

آمنہ۔ تو تم جب تک دانت مانجھ لو اور غسل کر لو اور میں اتنی دیر میں ناشتہ تیار کئے لیتی ہوں۔ وہ (فاروق) بھی اب آتے ہی ہوں گے۔

مصطفےٰ۔ وہ نماز کو پوچھیں گے تو میں کہہ دوں گا کہ پڑھ لی اور تم بھی ان سے یہ مت کہنا کہ نہیں پڑھی ہے۔

آمنہ۔ اے ہے بھیا یہ تم نے آج کیسی بات کہی تم نے ضرور کسی کمینے لڑکے کو جھوٹ بولتے سنا ہے۔ جبھی تو تمھارے دل میں ایسا خیال آیا۔ کمینی اور بری عادت کے بچے اسی طرح تو شریف اور اچھے بچوں کی عادتیں بگاڑ دیا کرتے ہیں غضب خدا کا! مسلمان بچے کے دل میں جھوٹ بولنے کا خیال! توبہ توبہ!

مصطفےٰ بھیا تم ابھی بہت بھولے اور سیدھے ہو۔ تم نے کسی کو جھوٹ بولتے سنا اور سمجھ لیا کہ سب بچے جھوٹ بولتے ہوں گے اسی لئے اس وقت ایسا ارادہ ظاہر کیا اور ہاں (ہنس کر) تم نے مجھ سے بھی تو کہا تھا کہ میں بھی اگر ضرورت ہو تو جھوٹ بولوں اور تمھارے اس گناہ کو چھپاؤں۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں ہے کہ شریف بچے کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ نہ کہ پھر مسلمانوں کے بچے آئندہ کبھی ایسا خیال بھی نہ کرنا۔ اگر تم نے نماز نہیں پڑھی تو اس میں ان سے چھپانے کی کون سی بات ہے۔ جو کام تمھیں آتا ہی نہیں وہ تم کیسے کر لوگے۔ وہ پوچھیں تو

تم صاف صاف کہہ دینا کہ مجھے تو نماز پڑھنی آتی نہیں اور میرے متعلق کہہ دینا کہ انھوں نے سکھائی نہیں۔ اس میں تمھارا قصور ہی کیا ہے جو تم ڈرتے ہو اور اگر سچ مچ تمھارا کوئی قصور بھی ہوتا تب بھی یہ کس قدر کمینہ پن ہوتا کہ اپنے ایک قصور کو چھپانے کے لئے تم ایک شریف آدمی کو دھوکا دیتے اور اس طرح ایک گناہ اور کرتے۔ ہر ایک آدمی سے غلطی اور قصور ہو جایا کرتے ہیں اور اگر بچے سچ سچ بول دیتے ہیں تو پھر انھیں کوئی سزا نہیں دیتا بلکہ ان کی عزت بڑھ جاتی ہے کیونکہ انھوں نے سچ بات کہہ دی۔ جھوٹ تو ہمیشہ وہ لوگ بولا کرتے ہیں جو کمینے اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ تم کیا خدانخواستہ ڈرپوک ہو۔ بہادر لڑکے کبھی کسی سے نہیں ڈرتے اور جب ڈرتے نہیں تو پھر جھوٹ کیوں بولیں۔

آمنہ نے جھوٹ کے نام سے کچھ ایسا خوف اور ایسی نفرت ظاہر کی کہ مصطفےٰ ہکا بکا رہ گیا اور تھوڑی دیر تک تو وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ کیا مصیبت آگئی جب سب باتیں اس کی سمجھ میں آئیں تو اسے دل میں سخت ندامت ہوئی، اور اس کے دل نے عہد کر لیا کہ چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے کبھی جھوٹ نہ بولے گا۔ کیونکہ اس نے دیکھا کہ جھوٹ کے خیال سے آمنہ جیسی جنت کی حور کے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور مصطفےٰ خواہ اور ہر قسم کی شرارت اور بدمعاشی کے لئے آمادہ ہو جاتا مگر آمنہ کا دل دکھانے کی جرات ہرگز نہ کر سکتا تھا۔

عقلمند آمنہ نے مصطفےٰ کے چہرہ سے یہ تمام باتیں معلوم کر لیں جو اس کے دل میں گزر رہی تھیں اور مطمئن ہو کر بولی۔

آمنہ۔ (مسکرا کر) تمھیں میری باتیں بری تو نہیں معلوم ہوئیں، میں نے اس

ذرا سختی سے گفتگو کی تھی مگر بات یہ ہے کہ مجھے جھوٹ سے ایسی نفرت ہے کہ اگر کوئی اس کا نام بھی لیتا ہے تو میرے دل پر چوٹ سی لگتی ہے اور وہ کمبخت ہے ہی ایسی بری چیز کہ ایک مجھے کیا ہر ایک شریف آدمی کو اس سے ایسی ہی نفرت ہوگی اور ہونی چاہئے تمھیں ابھی معلوم نہیں ہے کہ جھوٹ کیسی بری چیز ہے نہیں تو تم خود ہی اس سے نفرت کرتے۔

مصطفےٰ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اتنے میں فاروق آگئے اور آمنہ باورچی خانہ میں چلی گئیں

حسب وعدہ ناشتہ بہت ہی نفیس اور لذیذ تھا اور مصطفےٰ نے خوب خوش ہو کر اچھی طرح کھایا اور کھانے کے بعد اس نے خود فاروق سے درخواست کی۔

مصطفےٰ۔ اب ہمیں سبق پڑھا دو۔

آمنہ۔ (ہنس کر) ابھی تمھیں شاگردوں کی سی باتیں کرنی تو آتی ہی نہیں۔ تم جانتے ہو کہ استاد کا درجہ باپ سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے استاد کی بڑی تعظیم کرنی پڑتی ہے اور اس سے جب بات کرتے ہیں تو بڑے ادب کے ساتھ کرتے ہیں اب تم ان سے آپ کرکے بات کیا کرو۔

مصطفےٰ۔ اچھا۔

فاروق نے تھوڑی دیر تک مصطفےٰ کو سمجھایا کہ ہمارے منہ سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کے لکھنے کے لئے ہم نے اشارے مقرر کرلئے ہیں اور اس طرح چار پانچ آوازیں اور ان کے لئے جو حرف مقرر ہیں وہ کاغذ پر لکھ کر اسے

دکھا دئے اور تھوڑی دیر تک اس سے ان کی نقل کرنے کی مشق کرائی اور پھر چھٹی دے دی۔ چھٹی ملنے کے بعد آمنہ نے اس سے کہا کہ اب تم شاگرد ہو گئے ہو اس لئے جب آیا کرو تو انھیں سلام کیا کرو اور جب جایا کرو تب بھی سلام کر کے جایا کرو۔

مصطفےٰ جب رخصت ہو کر گھر چلا تو راستہ میں سوچتا جا رہا کہ پڑھنے میں ایسی کون سی مشکل بات ہے جس سے لڑکے گھبرایا کرتے ہیں۔

پانچواں باب

فاروق اور آمنہ کی تعلیم مکتبوں اور مدرسوں کی سی تعلیم نہ تھی کہ جس سے مصطفےٰ اکتا جاتا اور یا تو سرے سے پڑھنا ہی چھوڑ دیتا، یا کم از کم اس سے اس حد تک متنفر ہو جاتا کہ دن بھر پڑھتے رہنے کے باوجود شام کو جب سبق سنا جاتا تو معلوم ہوتا کہ تمام دن کی محنت یوں ہی بیکار گئی اور لڑکے کو ایک حرف بھی یاد نہیں ہوا ہے۔ فاروق کی تعلیم بجائے خود مصطفےٰ کے لئے ایک دلچسپ کھیل یا تفریح کا کام دیا کرتی تھی اور اس میں اس کا دل اس قدر لگ گیا تھا کہ بسا اوقات خود ہی درخواست کیا کرتا تھا کہ شام کی پتنگ بازی کی بجائے بھی وہی کھیل جو درحقیقت نہایت ہی مفید سبق ہوتا تھا جاری رہے۔ آمنہ نے اپنے محبت آمیز برتاؤ سے اسے ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ اگر اس کی عمر اس قدر کم نہ ہوتی تو شاید فاروق صاحب اس سے بدگمان ہو جاتے۔ وہ حقیقتاً آمنہ سے عشق کے درجہ تک محبت رکھتا تھا اور آمنہ کے کسی حکم سے اسے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ آہستہ آہستہ آمنہ نے اسے شریفوں کی طرح گفتگو کرنی سکھائی اور معمولی آداب مجلس کی تعلیم دے دی۔ اب وہ اپنے آپ کو "ہم" اور

دوسروں کو "تو" یا "تم" نہیں کہا کرتا تھا بلکہ اب وہ رشید کو بھی آپ کہہ کر خطاب کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ اس کے لہجہ کی کرختگی بھی اب دور ہو چکی تھی اور اس کے بجائے اس میں وہی لطافت اور نرمی پیدا ہو گئی تھی جو آمنہ کی گفتگو کی خصوصیت تھی۔ اس کی جسمانی صفائی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور اس سے زیادہ صاف ستھرا لڑکا شہر میں ڈھونڈے بھی نہ مل سکتا تھا۔ اس کے وہی دانت جن پر سیاہی مائل زرد رنگ کے میل کی ایک خوب موٹی تہ جمی رہا کرتی تھی اب موتیوں کی طرح چمکتے تھے اور اس کے منہ سے جس سے ہمیشہ بدبو آیا کرتی تھی اب گفتگو کے وقت پھول جھڑتے معلوم ہوتے تھے۔ وہی خودغرض اور ظالم مصطفےٰ جو کسی دوسرے لڑکے کی اپنے مقابلے میں کوئی ہستی ہی نہ سمجھتا تھا اب دوسروں کے حقوق کی حرمت کرنے لگا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر حتیٰ کہ رشید کے جسم کو ذرا سی ٹھیس لگ جانے پر بھی وہ فوراً معافی مانگ لیا کرتا تھا اور خوبی یہ تھی کہ اس اظہار معذرت میں تصنع یا بناوٹ کو ذرا سا بھی دخل نہ ہوتا تھا۔

آمنہ اور فاروق نے کبھی مصطفےٰ کو اپنے پرانے دوستوں سے ملنے کو منع نہیں کیا۔ مگر اپنی حکمت عملی سے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ اسے اتنا وقت اور موقع ہی نہ ملے کہ ان سے مل سکے۔ انھوں نے اس کے لئے نہایت ہی دلچسپ کھیل اس قدر کثیر مقدار میں مہیا کئے تھے کہ اسے دنیا و مافیہا کا خیال ہی نہ آتا تھا۔ انھی کھیلوں میں اسے آداب معاشرت اور اخلاق کی تعلیم ملتی تھی اور انھی کھیلوں کے ذریعہ سے اس کی قوت ارادی کو مضبوط اور اس کے حوصلوں کو بلند کیا جاتا تھا۔ مصطفےٰ کے طفیل میں رشید بھی ان تعلیمات سے

پورے طور پر بہرہ اندوز ہو رہا تھا اور اس کے طرز و انداز میں بھی نمایاں تبدیلی ہو گئی تھی۔

ایک روز رشید اور مصطفےٰ دونوں بیٹھے ہوئے لکڑی کا ہوائی جہاز بنا رہے تھے اور ان کے قریب ہی آمنہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی اونی بنیان فاروق کے لئے بن رہی تھی کہ یکایک مصطفےٰ نے چلا کر کہا۔

مصطفےٰ! (آمنہ کو مصطفےٰ خالہ جان کہنے لگا تھا) دیکھئے خالہ جان میں نے کیسا اچھا ہوائی جہاز بنایا ہے۔

آمنہ نے دیکھا اور مسکرا کر اس کی صناعی کی سچے دل سے داد دی اور کہا کہ یہ اس قدر خوبصورت بنا ہے کہ اسے دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آسکتا کہ یہ ایک بچے کے ہاتھ کا بنا ہوا ہے۔

مصطفےٰ! ۔ مگر یہ تو میں نے ہی بنایا ہے۔ اس میں تو خالو صاحب نے کچھ بتایا بھی نہیں ہے۔

آمنہ۔ میں کب کہتی ہوں کہ تم نے نہیں بنایا ہے۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ یہ تم نے اس قدر اچھا بنایا ہے کہ یہ بچوں کا بنایا ہوا معلوم ہی نہیں ہوتا ہر چیز کو دیکھ کر انسان کے دل میں اس کے بنانے والے کا خیال آیا کرتا ہے تمہارا جہاز اس قدر عمدہ بنا ہے کہ اسے دیکھ کر ہر شخص کو یہی خیال ہو گا کہ یہ کسی اچھے کاری گر نے بنایا ہے۔

مصطفےٰ! ۔ چیزوں کو دیکھ کر ان کے بنانے والے کا خیال کیوں آیا کرتا ہے؟

آمنہ۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کوئی چیز اپنے آپ تو نہیں بن جاتی

ہے کوئی نہ کوئی اس کا بنانے والا ضرور ہوتا ہے۔ اسی لئے جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ اس کے بنانے

والے کا

خیال ضرور آتا ہے اور اگر وہ چیز اچھی بنی ہوئی ہے تو بنانے والے کی تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تم ہمیشہ استاد کلن کی دکان سے پتنگیں لاتے ہو اور اکثر دور ہی سے دیکھ کر ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی پتنگ پہچان لیا کرتے ہو۔ جب کبھی تم کوئی اچھی پتنگ اڑتی ہوئی دیکھتے ہو تو فوراً تمھیں یہی خیال آتا ہے کہ یہ استاد کلن کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔

مصطفےٰ۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر ایسی بھی تو بہت سی چیزیں ہیں جنھیں کوئی بھی نہیں بناتا۔

آمنہ۔ دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے کسی نے نہ بنایا ہو۔

مصطفےٰ۔ (ذاتحانہ انداز میں) آدمیوں کو کون بنایا کرتا ہے۔ یہ تو اپنے آپ ہی بن جاتے ہیں۔

آمنہ۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ آدمی آپ سے آپ بن جاتے ہیں؟

مصطفےٰ۔ اور نہیں تو کیا آپ بنایا کرتی ہیں۔

آمنہ۔ میں تو نہیں بناتی۔ مگر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز از خود نہیں بنا کرتی بلکہ کوئی نہ کوئی اس کا بنانے والا ضرور ہوتا ہے تو ہمیں اگر کوئی چیز ایسی نظر آئے کہ جس کا بنانے والا کوئی نظر نہ آتا ہو تو ہمیں یہ شک نہ کرنا چاہیئے کہ اس کا بنانے والا کوئی نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کی تحقیق کرنی چاہیئے

کہ اس کا بنانے والا کون ہے۔ ایک آدمی ہی پر کیا منحصر ہے، سورج، چاند ستارے، آسمان زمین اور ہزاروں لاکھوں طرح کے جانور، اور درخت یہ سب ایسی ہی چیزیں ہیں جنھیں ہم رات دن دیکھتے ہیں اور ان کا بنانے والا ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔

مصطفیٰ۔ تو ان سب چیزوں کو آپ ہی سمجھ لیجئے کہ اپنے آپ بن جاتی ہیں۔

آمنہ۔ مگر یہ بات تو کسی طرح ہماری عقل ہی میں نہیں آتی کہ کوئی چیز آپ سے آپ بن جائے گی۔ اور جب ہماری عقل اسے نہیں مانتی تو مجبور ہو کر ہمیں تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ ان چیزوں کا بنانے والا یا بنانے والے کون ہیں۔

مصطفیٰ۔ (کچھ سوچ کر) میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ اچھی خالہ جان آپ کو معلوم ہو تو بتا دیجئے۔

آمنہ۔ مجھے معلوم بھی ہے اور میں بتا بھی دوں گی مگر اس طرح میرے بتا دینے سے تمھیں یقین مشکل سے آئے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم خود اپنی عقل پر زور ڈالو تمھاری عقل خود ہی تمھیں بتا دے گی۔ تم یوں سوچو کہ تم بیج زمین میں گاڑ دیتے ہو اور پھر زیادہ سے زیادہ اتنا اور کرتے ہو کہ اس زمین پر تھوڑا سا پانی ڈال دو اور پھر چند روز کے بعد اسی بیج میں سے درخت پیدا ہو جاتا ہے اور چند روز میں بڑھ کر اچھا خاصہ بڑا ہو جاتا ہے اور اس میں پھول اور پھل لگتے ہیں۔

مصطفیٰ۔ (جلدی سے بیچ میں دخل دے کر) تو میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ پیدا ہو جاتا ہے۔

آمنہ۔ (مسکرا کر) اگر بیج کے اندر درخت بند ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ اپنے

آپ ظاہر ہو گیا جب کہ اس میں درخت ہوتا ہی نہیں تو اپنے آپ اسے کیا چیز نکل آتی ہے۔ درخت موجود تو نہیں ہوتا۔ درخت تو بنتا ہے۔ اگر تم یہ کہو گے کہ بیج درخت کو بنایا کرتا ہے تو پھر میں یہ پوچھوں گی کہ ڈبیا میں رکھے رکھے بیج کیوں درخت نہیں بناتا اگر اس میں بنانے کی طاقت ہے تو زمین کے اندر رہکر بھی بنائے اور ڈبیا کے اندر رہ کر بھی۔

مصطفےٰ۔ درخت تو زمین بنایا کرتی ہے۔

آمنہ۔ زمین میں اگر بنانے کی قدرت ہوتی تو ایک آدھ پیڑ بغیر بیج کے بھی بنادیا کرتی مگر وہ تو اس بات کی محتاج رہتی ہے کہ کوئی بیج ڈال دے اور پھر پانی بھی پہنچاتا رہے تو اس میں سے پیڑ اگادے اور پھر اگر تمھارا کہنا مان کر ہی فرض کرلیں کہ پیڑ زمین بنادیا کرتی ہے۔ تب بھی یہ سوچنا پڑے گا کہ جانور کون بناتا ہے مرغی انڈے دیتی ہے اور تم نے انڈے کھائے ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ اس میں بچہ کہیں بند نہیں ہوتا مگر جب چند روز تک مرغی ان انڈوں کو لے کر بیٹھتی ہے تو ان میں بچے پیدا ہو جاتے ہیں اور انڈوں کو توڑ کر نکل آتے ہیں۔ انڈوں کا کوئی تعلق زمین سے نہیں ہوتا اور نہ کوئی آدمی ہی کچھ کرتا ہے۔ مرغی بھی خالی ان کے اوپر بیٹھتی رہتی ہے ان کے اندر اس کی بھی چونچ یا پنجے نہیں جا سکتے پھر وہاں کون بچے بنادیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تم اس بات پر غور کرو کہ دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند آدمی ہے اور کلیں اور کمانیاں لگا کر بعض ایسی چیزیں تو اس نے ضرور بنالی ہیں کہ جو اس کی مرضی کے مطابق اِدھر سے اُدھر حرکت کرلیتی ہیں مگر آج تک کبھی کسی نے کوئی ایسی چیز بھی بنائی ہے جس میں

جان ہو اور خود اپنی مرضی سے چلے پھرے کھائے پئے، سوئے کھیلے یا دنیا کے اور کام کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم خواہ کوئی چیز بھی بنالیں اور کیسی ہی عجیب سے عجیب کلیں کیوں نہ ایجاد کرلیں مگر یہ بات ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہم اس میں جان ڈال سکیں۔ جان دار چیزیں بنانے والا کوئی اور ہی ہے۔

مصطفےٰ! - یہ تو میں سب سمجھ گیا۔ مگر یہ بھی تو بتایئے کہ جان دار چیزیں بنانے والا ہے کون؟ کوئی آدمی تو ہے نہیں پھر کون ہے!

آمنہ - ہمارا تمھارا اور تمام دنیا کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اسی نے سورج چاند اور ستارے بنائے ہیں اور اسی نے آدمی جانور پیڑ، ہوا، پانی، زمین اور پہاڑ غرضکہ ہر چیز پیدا کی ہے۔

مصطفےٰ! - یہ تو مجھے پہلے سے بھی معلوم تھا۔ مگر میں نے اس لئے نہیں کہا تھا کہ شاید آپ کچھ اور بتائیں۔

آمنہ - تمھیں کیا یہ تو ہر مسلمان بچے کو معلوم ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔

مصطفےٰ! - اچھا تو یہ بتا دیجئے کہ نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

آمنہ - (ہنس کر) اکثر سست اور کاہل بچوں کو، اور بچوں ہی پر کیا موقوف ہے بہت سے سست آدمیوں کو بھی نماز پڑھنا ناگوار گزرا کرتا ہے اور وہ اسے ایک فضول کام خیال کیا کرتے ہیں۔ لیکن اگر تمھیں یہ معلوم ہو جائے کہ نماز کیوں پڑھی جاتی ہے اور اس کا کیا مطلب ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ تمھیں اس وقت تک چین ہی نہ آیا کرے کہ جب تک نماز نہ پڑھ لو

مصطفیٰ ۔ (مشتاق ہوکر) تو بتا دیجئے۔

آمنہ ۔ تمھیں کوئی ذرا سی چیز دیتا ہے تو تم فوراً اس کا شکریہ ادا کرتے ہو اور اگر تمھارے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو تمھارے دل میں اس کی محبت اور عزت قائم ہو جاتی ہے ۔ خدا نے تمھیں پیدا کیا ، کیا یہ کوئی احسان نہیں ہے ۔ اس نے تمھارے لئے دنیا جہان کی نعمتیں مہیا کر دیں ۔ تمھارے کھانے کے لئے اناج ، ترکاریاں ، پھل وغیرہ پیدا کر دئے ، تمھارے سانس لینے کے لئے ہوا اور پینے کے لئے پانی پیدا کر دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمھیں عقل دے دی کہ اس کی مدد سے تم قدرت کے چھپے ہوئے خزانے ڈھونڈھ لو اور اپنے کام میں لاؤ ۔ کیا اس سے زیادہ کوئی شخص کسی کو دے سکتا ہے ۔ یا اس سے بڑا احسان کوئی کسی پر کر سکتا ہے ؟ اگر تم ذرا سے احسان کا بار بار شکریہ ادا کیا کرتے ہو اور ہزار ہزار مرتبہ اس احسان کرنے والے کی تعریف لوگوں سے بیان کرتے رہتے ہو تو خود ہی سوچ لو کہ ایسی ایسی نعمتوں کا اور ایسے ایسے احسانوں کا کس قدر شکریہ ادا کرنا چاہئے ۔ نماز اسی چیز کا نام ہے کہ ہم اس خدائے پاک کا سچے دل سے دن میں پانچ مرتبہ شکریہ ادا کیا کریں اور اس کی تعریف بیان کیا کریں ۔ دنیا میں لوگ بڑے آدمیوں کا اور بزرگوں کا ادب کیا کرتے ہیں اور ان کی تعظیم بجا لاتے ہیں ۔ خدا سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے کہ جس نے سب کو پیدا کیا اور جو سب کو روزی پہنچاتا ہے اس کا ادب اور اس کی تعظیم جس قدر بھی کی جائے کم ہے ۔ نماز میں ہم اسی خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور یہ انتہائی عاجزی کی نشانی ہے ،

جن آدمیوں کو ہم بڑا یا بزرگ خیال کرتے ہیں ان کی تعظیم اور عزت کیا کرتے ہیں۔ مگر خدا چونکہ سب سے بڑا ہے اور ہماری طرح آدمی نہیں ہے اس لئے ہم اس کی عزت ہی نہیں بلکہ پوجا کیا کرتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جس پاک اور مقدس ذات کے ہم پر اتنے احسان ہیں اور جس نے ہمیں خاک مٹی سے پیدا کیا ہے کیا ہمیں اس کی اتنی عزت نہ کرنی چاہیئے اور کیا ہر وقت اس کا شکریہ نہ ادا کرنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم رات دن اس کا شکریہ ادا کرتے کرتے مر جائیں تب بھی اس کے شکریہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اب تو تم سمجھ گئے ہوگے کہ نماز کیا چیز ہے۔

مصطفےٰ۔ (نہایت سنجیدگی کے ساتھ) جی ہاں میں خوب سمجھ گیا اور اب میں بھی نماز پڑھا کروں گا۔

چھٹا باب

مصطفےٰ کی والدہ ایک متوسط الحال شریف خاندان کی بیٹی تھیں۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ ماں باپ نے نہ تو انھیں کسی قسم کی تعلیم دی تھی اور نہ مناسب تربیت ہی کی تھی۔ اس لئے باوجود نیک اور خوش مزاج ہونے کے وہ پھوہڑ اور بدسلیقہ بہت تھیں۔ خاوند کو اول تو اپنے فوجی کاموں سے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ اس طرف توجہ کرتے اور بیوی کو کچھ سکھا پڑھا دیتے اور جب پنشن لینے کے بعد فرصت میسر بھی آئی تو ان کی عمر اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اس قسم کے ولولے اور شوق طبیعت سے دور ہو چکے تھے اور بیوی تو الگ رہیں انھوں نے کبھی بھولے سے مصطفےٰ کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال نہ کیا۔ مصطفےٰ کی ماں کا نام حمیدہ بانو تھا۔ خدا نے صورت شکل بھی اچھی خاصی دی تھی۔ اور اب تقریباً چالیس سال عمر ہو جانے کے باوجود اگر حسن کے نہیں تو کم از کم نیکی اور شرافت کے آثار ضرور ان کے چہرے سے ظاہر ہوتے تھے۔ وہ اس قسم کی عورتوں میں تھیں کہ جن کا مخل میں خاموش

بیٹھا رہنا ان کے حق میں مفید ہوا کرتا ہے اور جب تک وہ بات چیت نہیں کرتیں اس وقت تک سب اسی دھوکہ میں رہتے ہیں کہ وہ غیر معمولی دل و دماغ کی عورت ہیں۔

مصطفےٰ حمیدہ بانو کا آخر بیٹا تھا یہ تو کیسے ممکن تھا کہ انھیں اس کی محبت ہی نہیں ہوتی، مگر ان کی محبت وہی جاہل اور بدسلیقہ عورتوں کی محبت تھی۔ جس کا نتیجہ صرف یہی نکلا کرتا ہے کہ اولاد کی درستی کی بجائے اس کا ناس ہو جائے انھیں نہ اس بات کی پرواہ تھی کہ مصطفےٰ کا وقت ضائع ہو رہا ہے اور نہ اس کی آوارگی اور بدمعاشی کا کچھ افسوس۔ ہاں البتہ اگر کسی دن اسے رات کو گھر آنے میں دیر ہو جاتی اور انھیں اس کے انتظار میں کھانا لئے بیٹھے رہنا پڑتا تو وہ ضرور اس پر ناراض ہو کر دل کی بھڑاس نکال لیا کرتی تھیں۔ اپنی پڑوسنوں سے وہ کئی مرتبہ مصطفےٰ کے پیچھے لڑ چکی تھیں حالانکہ ہمیشہ قصور مصطفےٰ ہی کا ہوتا تھا اور پڑوسن کی شکایت بالکل صحیح اور جائز ہوتی تھی۔ دین و مذہب سے انھیں صرف اتنا ہی واسطہ تھا کہ انھیں معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اور گوشت کھانا ان کے یہاں جائز ہے اور مذہب کے نام سے اگر انھوں نے کبھی کوئی کام انجام دیا تھا تو وہ یہی تھا کہ کسی پیر یا پیغمبر کے نام کی نیاز دلا دی اور بس اور غالباً ان کے عقیدے کے مطابق مدار صاحب یا بڑے پیر صاحب خدا اور اس کے رسول سے بھی ...... (نعوذ باللہ) کچھ بڑے تھے۔

ایک آوارہ منش اور بداطوار لڑکے کو ایسی بیوقوف اور نیک مزاج

ماں کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی - اس لئے مصطفیٰ بھی انھیں زیادہ سے زیادہ اپنی خادمہ ہی خیال کیا کرتا تھا - مصطفیٰ کو آمنہ کے گھر جاتے اب تقریباً تین مہینے ہو چکے تھے اور اس مدت میں اس کے اندر ایسی تین تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں کہ کوئی اور ماں ہوتی تو شاید آٹھویں ہی دن اس سے پوچھتی کہ تم اب کہاں جایا کرتے ہو - مگر اس خدا کی بندی کو کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آیا کہ وہی کندۂ ناتراش بچہ جو ایک منہ میں سو سو گالیاں دیا کرتا تھا اور جس کے کرتوتوں سے تمام محلہ نالاں و گریاں تھا - اب یکایک کیسے اتنا تمیز دار اور خوش اطوار اور با ادب بن گیا ہے کہ صبح تڑکے اٹھ کر غسل کرتا ہے - نماز پڑھتا ہے اور دن میں جب گھر میں آتا ہے تو اکثر گلی ڈنڈے کی بجائے اس کے ہاتھ میں یا تو قلم دوات ہوتی ہے یا کتابیں -

آمنہ کی تعلیم کے اثر سے ایک روز جب صبح کو اٹھ کر مصطفیٰ نے اپنی ماں کو سلام کیا تو یہ چیز اسے کچھ اس قدر نئی معلوم ہوئی کہ جواب میں "جیتے رہو" کہہ دینے کے بعد وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی - اس نے کئی مرتبہ غور سے مصطفیٰ کی صورت دیکھی کہ آیا وہ درحقیقت مصطفیٰ ہی تھا جس نے سلام کیا اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ سلام کرنے والا مصطفیٰ کے سوا اور کوئی نہ تھا تو اسے بیحد خوشی بھی ہوئی اور سخت تعجب بھی - آہستہ آہستہ اب مصطفیٰ کی تمام تبدیلیاں اس کی نگاہوں کے سامنے آنے لگیں اور آج پہلی مرتبہ اس نے محسوس کیا کہ مصطفیٰ تو اب وہ مصطفیٰ ہی نہیں رہا ہے - تبدیلی محسوس کر لینے کے بعد لازمی طور پر اسے یہ خیال آتا تھا کہ اس تبدیلی کا باعث کیا ہے - چنانچہ اس نے پوچھا -

حمیدہ - کیا اب تم کسی سے پڑھنے جایا کرتے ہو۔

مصطفےٰ - جی ہاں۔

حمیدہ - کون سے مولوی صاحب ہیں جن کے پاس تم جاتے ہو۔ کسی سے پوچھ تیچھ بھی لیا ہے کہ وہ کیسے آدمی ہیں۔

مصطفےٰ - یہیں محلہ ہی میں محمد فاروق صاحب ایک شخص رہتے ہیں ان کے گھر جایا کرتا ہوں۔ بہت ہی اچھے آدمی ہیں اور ان کی بیوی تو ایسی اچھی ہیں میں کیا بتاؤں - دونوں میاں بیوی روز مجھے پڑھاتے بھی ہیں اور میرے ساتھ کھیلا بھی کرتے ہیں مجھے ان سے بڑی محبت ہو گئی ہے۔

حمیدہ - اے ہے وہ بوڑھے مردوئے کھیلا بھی کرتے ہیں تو یہ کہو ناکہ دن بھر کھیل میں غارت کیا کرتے ہیں اور نام پڑھنے کا ہے۔

مصطفےٰ - امی جان میں تو روز پڑھتا ہوں اور اب بغیر بتائے اپنی کتاب پڑھ لیتا ہوں بس کہیں کہیں خالو صاحب بتایا کرتے ہیں۔ جب پڑھنے سے چھٹی ملتی ہے تو کھیلا بھی کرتا ہوں میں نے اپنے ہاتھ سے ایسا اچھا ہوائی جہاز بنایا تھا کہ خالہ جان کہتی تھیں کہ بڑے آدمی بھی اس سے اچھا نہیں بنا سکتے، امی جان ایک دن آپ خالہ جان سے ملنے چلئے۔

حمیدہ - اے ہے بچے کچھ دیوانہ تو نہیں ہو گیا ہے! بھلا میں ان کے گھر کیسے جا سکتی ہوں، جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام۔

مصطفےٰ - امی جان وہ تو بہت ہی اچھی آدمی ہیں ان سے جان پہچان ہوتے کیا دیر لگے گی۔ میری امی جان چلی چلئے۔

حمیدہ - لڑکے ذرا ہوش کی باتیں کر۔ خدا جانے کون ہیں کون نہیں۔ بس بھلا ان کے گھر کیوں جانے لگی تھی اور میں سچ کہہ دوں مجھے تو تمہارا وہاں جانا بھی کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

مصطفےٰ ہنسا اور تھوڑی دیر کے توقف کے بعد بولا۔

مصطفےٰ - اچھا امی جان پہلے میں خالہ جان کو یہاں بلا لاؤں۔ اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ وہ یہاں آجائیں۔

حمیدہ - میں نصیبوں جلی اب اس لائق کہاں رہی ہوں کہ کسی سے ملوں جلوں یوں ان کا گھر ہے وہ شوق سے آئیں۔

مصطفےٰ - مگر امی جان آپ کا تو گھر ایسا میلا ہے کہ انھیں یہاں بلاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حمیدہ - اسی لئے تو میں کہتی ہوں کہ تم وہاں نہ جایا کرو۔ انھی کے گھر جا جا کے تم نے یہ باتیں سیکھی ہیں کہ اب اپنا گھر بھی برا معلوم ہونے لگا۔

مصطفےٰ - میں نے وہاں جاکر کوئی بری بات تو نہیں سیکھی ہے۔

حمیدہ - یہ بڑی اچھی باتیں ہیں کہ اچھے خاصے گھر کو میلا بتا رہے ہو۔ برابر دوسرے تیسرے تو میں جھاڑو دیتی رہتی ہوں۔ پھر بھی تمھیں گھر میلا ہی معلوم ہوتا ہے۔

مصطفےٰ - آج میں خالہ جان سے کہوں گا اور اگر وہ آنے پر راضی ہو گئیں تو پھر آپ ذرا گھر کی حالت درست کر لیجئے گا۔ آپ نے ان کا گھر دیکھا نہیں ہے۔ ایسا صاف ہے کہ میں کیا بتاؤں۔

حمیدہ۔ لڑکے ذرا ہوش میں آ ہوش میں۔ اب میں خالہ جان کے لئے دن بھر جھاڑو ہاتھ میں لئے پھرتی رہوں گی وہ ایسی نازک مزاج ہیں تو کیوں کسی کے گھر جائیں۔ اپنے صاف ستھرے گھر میں بیٹھی رہیں۔ میرا تو یہی گھر ہے کوئی آتی آئے نہ آتی نہ آئے۔

مصطفےٰ کو اپنی عادت قدیمہ کے مطابق ماں پر غصہ تو بہت ہی سخت آیا اور قریب تھا کہ وہ کچھ ناشائستہ باتیں زبان سے کہہ بیٹھے۔ مگر آمنہ کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کی نگاہ کے سامنے آگیا۔ اور وہ فوراً اپنے غصہ کو پی گیا۔ اور ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔

ساتواں باب

ناشتہ سے فراغت کرکے مصطفےٰ اپنا سبق لے کر بیٹھا اور فاروق اسے کشش ثقل کا مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ انھوں نے اسے بتایا کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ اور اگر درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ہر چیز زمین کی سطح سے مل جائے گی۔ مصطفےٰ اپنی اس نئی معلومات کے متعلق عملی تجربے کر رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح کسی چیز کو بغیر سہارے کے زمین سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔ انتہائی کوشش کے باوجود جب اسے اس میں ناکامی ہوئی تو اس کا زمانہ جاہلیت کا غصہ ہیجان میں آگیا اور اس نے نہایت غیظ و غضب کے ساتھ اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دیا جسے زمین سے الگ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس غصہ کے عالم میں اس کے منہ سے بلا ارادہ ایک گالی بھی نکل گئی۔ مصطفےٰ نے جب سے فاروق کے یہاں آنا جانا شروع کیا تھا تو آمنہ اور فاروق کی ہر وقت کی صحبت کے اثر سے چند ہی روز میں اس کی گالیاں بکنے کی عادت خود بخود چھوٹ گئی تھی اور اب ایک عرصہ دراز سے کسی نے اس کی زبان سے گالی نہیں سنی تھی۔

آج خلافِ معمول اس کی زبان سے ایک نہایت شرمناک گالی سُن کر آمنہ اور فاروق دونوں سنّاٹے میں آ گئے اور ان دونوں کو اس طرح ساکت اور متحیر دیکھ کر مصطفیٰ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً سب غصہ اتر گیا۔ اب اس کے چہرے پر ندامت اور پشیمانی کے آثار تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ اسے معافی مانگنے کے لئے لفظ نہیں ملتے ورنہ وہ اس کے لئے تیار ہے۔ فاروق فوراً وہاں سے اٹھے اور خفگی کی صورت بنائے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہوشیار آمنہ نے صورت حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش شروع کی۔

آمنہ۔ مصطفیٰ تم نے اپنے خالو صاحب کو سخت ناراض کر دیا میں نے آج تک کبھی انھیں اس قدر رنجیدہ نہیں دیکھا تھا مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ اب کبھی تمھیں نہیں پڑھائیں گے بلکہ شاید آئندہ تم سے بولنا بھی چھوڑ دیں۔ مجھے اس بات کا تو کچھ زیادہ خیال نہیں ہے کہ تم نے ایک ایسا خراب اور ناپاک لفظ بول کر میری بے عزتی کی ہے۔ لیکن اس بات کا سخت رنج ہے کہ اب تمھاری پڑھائی رہ گئی اور تمھارا سخت نقصان ہوا۔

خوف زدہ، متحیر اور نادم مصطفیٰ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح الفاظ اس کا ساتھ نہ چھوڑیں اور وہ کچھ جواب دے سکے مگر اس کی آواز رک گئی، اس کی زبان بند ہو گئی، اس کا دل بھر آیا اور وہ ایک عالم بے اختیاری میں روتا ہوا آمنہ کے قدموں سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس نظارے نے آمنہ کا دل بھی بے چین کر دیا۔ اور اس نے اسے اٹھا کر

گلے سے لگا لیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ آمنہ کے جسم کی گرمی تھی یا اس کے ہاتھ پھیرنے کا برقی اثر کہ مصطفےٰ کی آواز اور زبان کا فالج دور ہو گیا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

مصطفےٰ۔ مجھے اپنے پڑھنے کے نقصان کا ذرا سا بھی رنج نہیں ہے مجھے تو بس یہ رنج ہے کہ میں نے آپکی بے عزتی کی میرا جی چاہتا ہے کہ میں جا کر کنوئیں میں ڈوب مروں۔

آمنہ۔ اے ہے بھیا ایسی بری بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیئے۔ تم بڑے شریف بچے ہو اور ہر شریف آدمی کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب اس سے کوئی ایسی سخت غلطی ہو جاتی ہے تو اس کا دل یہی چاہتا ہے کہ میں مر جاتا تو اچھا تھا میری بے عزتی کی تم کچھ فکر نہ کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے قصداً ایسا نہیں کیا۔ بلکہ یہ تمھاری اس عادت کا نتیجہ تھا جو بعض خراب اور آوارہ بچوں کی صحبت میں تم نے اختیار کر لی تھی۔ تم روؤ نہیں میں کوشش کر کے ان سے تمھارا قصور معاف کرا دوں گی مگر آئندہ کبھی خدا کے لئے کوئی بات ایسی نہ کر بیٹھنا۔ تمھارے خالو خود بھی حد سے زیادہ نیک اور شریف ہیں اور جس کسی سے بھی محبت کرتے ہیں اسے بھی حد سے زیادہ شریف بنا دینا پسند کرتے ہیں۔

مصطفےٰ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا؟

آمنہ۔ ہاں میں نے تمھیں معاف کر دیا اور چلو اب ان سے بھی تمھاری خطا معاف کرا دوں۔

آمنہ مصطفےٰ کو لے کر فاروق کے کمرہ میں پہنچی تو فاروق کسی کتاب سے

دیکھنے میں مصروف تھے۔ وہ کمرے کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر آمنہ اور مصطفیٰ کی تمام گفتگو سن چکے تھے اور اس صورت حالات کے لئے تیار ہو کر بیٹھے تھے۔

آمنہ ۔ ابّی مصطفیٰ اپنا قصور معاف کرانے کے لئے آئے ہیں۔

فاروق ۔ ان کا قصور ہی کیا تھا۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ انھیں بعض ایسے لفظ بولنے کی عادت ہو گئی ہے جو مجھے پسند نہیں ہیں۔ میں ان کو مجبور بھی نہیں کرنا چاہتا کہ اپنی عادت چھوڑ دیں اور خود بھی ایسے لفظ سننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ انھیں پڑھانا چھوڑ دوں۔ اس میں ان کا قصور کیا اور خطا کیسی!

مصطفیٰ ۔ (بھرائی ہوئی آواز سے) میں آپ سے بالکل سچ کہتا ہوں کہ میں نے ان کو ایسا نہیں کیا تھا۔ معلوم نہیں کیسے میرے منھ سے ایسے لفظ نکل گئے۔ آپ کے سامنے ہی نہیں بلکہ آپ سے الگ ہو کر بھی میں کبھی اب گالیاں نہیں بکا کرنا۔ اب مجھے خود ان سے سخت نفرت ہو گئی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ہرگز ایسا کوئی لفظ میری زبان سے نہ نکلے گا۔

فاروق ۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اگر تم دن رات گالیاں بکا کرو تب بھی مجھے کوئی نقصان کسی قسم کا نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے اس بات کا ذرا سا بھی رنج نہیں ہے کہ تم نے میرے سامنے ایسا لفظ منھ سے نکالا۔ مجھے افسوس اور رنج جو کچھ تھا وہ اس بات کا تھا کہ میں یقین کر چکا تھا کہ گذشتہ زمانے کی بری باتیں تمھارے دماغ سے نکل چکی ہیں لیکن خلاف توقع آج مجھے معلوم ہوا کہ ابھی تک گالیاں تمھارے ذہن میں محفوظ ہیں اور اگر کسی وقت تم احتیاط نہ کر سکو تو تمھاری زبان سے پھر نکل سکتی ہیں۔ دوسرے یہ

کہ میرا خیال تھا کہ اتنے دنوں میں تمھیں اپنے جذبات پر قابو حاصل ہو گیا ہے اور تم اب اپنے جذبات کے اس طرح غلام نہیں رہے ہو کہ جس طرح جاہل اور کمزور انسان ہوتے ہیں لیکن بدقسمتی سے مجھے اپنے اس خیال میں بھی ایک حد تک مایوسی ہوئی اور میں نے دیکھا کہ تم اپنے غصہ کے غلام بن گئے اور اس پر اتنا قابو نہ پا سکے کہ ایک شریف عورت کی موجودگی میں ایسے برے لفظ زبان سے نکالنے سے باز رہتے۔

مصطفیٰ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور اس کی سسکیوں کے ساتھ ساتھ برابر یہی آواز آ رہی تھی کہ "خدا کے لئے اس بات کا ذکر نہ کیجئے" اب میں کبھی ایسا نہ کروں گا" یہ حالت دیکھ کر فاروق نے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا اور یہ کہہ کر کہ "تم واقعی ایک شریف اور بہادر لڑکے ہو" اسے معاف کر دیا۔

اس روز تقریباً تمام دن مصطفیٰ سُست اور مضمحل سا رہا اور شام کو جب وہ گھر جانے لگا تو اس نے بڑی لجاجت کے ساتھ آمنہ سے کہا کہ "آپ کسی دن میرے گھر چلیئے۔ میں نے امی جان سے آپ کا ذکر کیا تھا، اور ان کا بڑا دل چاہتا ہے کہ آپ سے ملیں"

آمنہ۔ اے ہے تو اس میں اس قدر خوشامد کرنے کی کونسی بات ہے جب تم کہوگے میں چلی چلوں گی۔

آٹھواں باب

ڈولی سے اترتے ہی آمنہ نے بہ یک نگاہ معلوم کرلیا کہ مصطفےٰ کی والدہ کس قسم کی عورت ہے۔ حمیدہ کی سستی بے پروائی کے متعلق بہت کچھ اندازہ تو اس نے مصطفےٰ کی حالت ہی سے کر لیا تھا مگر اب مکان کی حالت دیکھ کر اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ حمیدہ کے نیک ہونے کا باعث بھی درحقیقت اس کی بے وقوفی اور سستی ہی تھی۔ دیواروں کی جا بجا سے گری ہوئی قلعی کونوں میں اور چھتوں میں جالوں کے انبار۔ چارپائیوں اور بچھونوں پر خاک کے ڈھیر تکیوں پر تیل کے کالے کالے داغ، فرش پر بالوں کی پیکیں باورچی خانے میں راکھ اور کوئلوں کا ڈھیر، پاندان اور دیواروں پر کتھے چونے کے دھبے گھڑوں اور صراحیوں پر سبز سیاہی مائل کائی، دیگچیوں کا تولہ بھر رانگ کو ترسنا اور طاقوں میں چیلنوں گیا برسوں کا جما ہوا کاجل ایسی چیزیں تھیں کہ جنھیں دیکھ کر آمنہ جیسی نفیس مزاج عورت کا جی نہ متلانا ناممکن تھا۔ مگر اس خدا کی بندی نے ذرا سی ناک بھوں بھی نہ سکیڑی اور دس پانچ ہی منٹ میں کچھ

اس طرح گھُل مِل گئی کہ حمیدہ کو اس پر اعتبار ہو گیا اور بالکل کھل کر گفتگو ہونے لگی۔

حمیدہ۔ بہن تم نے بڑا احسان کیا کہ اس (اشارہ مصطفےٰ کی طرف تھا) بدنصیب بچے کو پڑھانا لکھانا شروع کر دیا۔ نہیں تو ڈر تھا کہ یہ گلیوں میں کھیل کھیل کر بالکل آوارہ ہو جاتا۔

آمنہ۔ میں نے تو کیا شروع کر دیا اصل یہ ہے کہ وہ بچہ ہی ایسا نیک اور شریف ہے کہ اس پر ہر کسی کو پیار آتا ہے۔ مصطفےٰ کو کہیں گلی میں کھیلتا دیکھ کر انھیں کچھ خیال آگیا کہ شاید یہ کچھ پڑھتے لکھتے نہیں ہیں۔ انھی نے ان سے کچھ پوچھا گچھا اور پھر پڑھنے پر راضی کر لیا۔ مصطفےٰ کو خود ہی پڑھنے کا کچھ اس قدر شوق ہے کہ یہ ہر وقت ان کا پیچھا لئے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ ہر وقت سیکھتے رہتے ہیں۔

حمیدہ۔ (کسی قدر طعن آمیز لہجہ میں) اور میں نے تو سنا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کھیلا بھی کرتے ہیں اور اسے خوب کھلایا بھی کرتے ہیں (ذرا بزرگانہ انداز سے) بچوں کو کھیلنے دینا تو کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے اور جب کہ وہ خود بھی ساتھ میں کھیلتے ہیں تو بھلا ان کا ڈر کیا خاک ہوگا اس کے دل میں۔

آمنہ۔ (مسکرا کر) دیکھئے میں ان سے کہہ دوں گی

حمیدہ۔ (فخریہ لہجہ میں) میں تو نگوڑی ان پڑھ جاہل ہوں پھر کبھی مصطفےٰ بیٹھا ہے اسی سے پوچھ لو، اسے گھر میں نہیں کھیلنے دیا۔ باہر گلیوں میں وہ جو کچھ بھی خاک اڑا آیا ہو مگر اس بات کی میں ہرگز روادار نہیں ہوں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے بھی وہ گھر میں کھیلا کرے۔

آمنہ - (ہنس کر) مردان باتوں کو ذرا کم سمجھتے ہیں - آپ اطمینان رکھئے میں ان سے ذکر کر دوں گی ۔

حمیدہ - (فتحمندانہ طرز سے) ہاں بہن ضرور کہہ دینا کہ یہ بہت بری بات ہے ۔

آمنہ - (بات کو ٹال کر) میں نے سنا ہے کہ آپکا جی اچھا نہیں رہتا ہے اکثر کچھ نہ کچھ شکایت رہتی ہے ۔

حمیدہ - میرے جی کو کیا پوچھتی ہو - بہن میرا جینا بھی نگوڑا کچھ جینا ہے - بے حیائی کی زندگی ہے سانس تو پورے کرنے ہی پڑیں گے اور نزلہ اور زکام اس پر پھر وہ اللہ مارے دورے پڑتے رہتے ہیں - کھانا ہضم نہیں ہوتا - بھوک کبھی لگتی ہی نہیں (آنکھوں میں آنسو بھر کر) جب سے ان کی آنکھیں بند ہوئیں بس مصیبتیں ہی مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں - شکر ہے اللہ کا جس حال میں رکھے ۔

آمنہ - تندرستی ہزار نعمت ہے میں تو گھر کی حالت دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ ضرور آپ بیمار رہتی ہیں نہیں تو بھلا کوئی عورت کیسے گوارہ کر سکتی ہے کہ وہ گھر میں بیٹھی ہو اور گھر کی ایسی حالت ہو جائے - خدا کسی کو بیمار آزاری نہ کرے آج تو میں آگئی ہوں میں تھوڑی بہت صفائی کئے دیتی ہوں اور آئندہ بھی روز روز تو میں آ نہیں سکتی مگر ہاں ہفتہ میں ایک دفعہ ضرور آکے کچھ نہ کچھ کام کر جایا کروں گی - مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ کی ایسی حالت ہے نہیں تو میں بہت پہلے سے آپ کے یہاں آنے لگی ہوتی ۔

یہ کہہ کر آمنہ اٹھی اور بے تکلف مکان کی صفائی شروع کر دی - حمیدہ نے ہر چند منع کیا اور سمجھایا مگر اس نے ایک نہ سنی اور مشاق ماما کی طرح جلدی جلدی

ہر ایک چیز کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ حمیدہ سست تھی، بے پروا تھی مگر بے غیرت نہ تھی اس نے اول تو اسی بات کی انتہائی کوشش کی کہ آمنہ اپنے ارادہ سے باز آجائے لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانی تو خود بھی اس کے ساتھ شریک ہو کر مہینوں کے جمع کئے ہوئے کوڑے کو نکالنا شروع کر دیا۔ ایک ایک کر کے تمام برتن مانجھے گئے۔ تمام گھر میں جھاڑو دی گئی، جالے جھڑائے گئے۔ راکھ اور کوئلے باورچی خانہ سے نکال کر پھینکے گئے۔ گھڑے اور صراحیاں صاف کی گئیں، چارپائیوں اور بچھونوں کو اچھی طرح جھاڑ پونچھ میں شام کر دی اور نہ خود بیٹھی اور نہ حمیدہ کو بیٹھنے کا موقع دیا۔ وہ جب بھی دیکھتی کہ حمیدہ کچھ تکان کا اظہار کر رہی ہے اور انداز سے اسے یہ معلوم ہوتا کہ اب حمیدہ یہ کہنے ہی والی ہے کہ "بہن اب تو میں تھک گئی" تو وہ خود ہی کہہ دیتی کہ "ہے ہے آپا تم بیمار رہتی ہو کمزور ہو تم اب جا کے ذرا لیٹ جاؤ میں ابھی سب کئے دیتی ہوں ایسا وہ کام ہی کونسا بہت سا ہے" اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ فوراً حمیدہ میں چستی آجاتی اور وہ کہتی کہ "نہیں بہن میں تھکی نہیں ہوں، میں نے کام ہی کیا کیا ہے سب کچھ تم ہی کر رہی ہو تم بے شک تھک گئی ہوگی"۔

شام کے قریب خدا خدا کر کے گھر کی صفائی سے فرصت ملی تو آمنہ نے کہا:۔

آمنہ۔ پسینہ آ کے تمام بدن پر خاک جم گئی ہے اور بہت ہی جی گھبرا رہا ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں دو لوٹے پانی بدن پر ڈال لوں، اور میرے خیال میں آپ بھی میرے جانے کا انتظار نہ کیجئے اور نہا لیجئے" آپ کو تو پسینہ اور بھی

زیادہ آیا ہے اور جی بولا رہا ہے۔ بلکہ پہلے آپ ہی نہا لیجئے میں بعد میں نہا لوں گی۔

حمیدہ - نہیں بہن پہلے تم نہا لو میں بعد میں نہاتی رہوں گی۔

آمنہ - نہیں پہلے آپ ہی نہا لیجئے آپ کو سر بھی دھونا ہے۔ پھر شام ہو جائے گی اور بال نہیں سوکھیں گے۔ اٹھیے بس اب دیر نہ کیجئے۔ بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔

چار و ناچار حمیدہ کو بادل ناخواستہ اٹھنا پڑا اور خدا جانے کتنے عرصہ کا میل آج آمنہ کی ترکیبوں کی بدولت اس کے بدن سے اترا۔ حمیدہ جب نہا کر نکلی تو آمنہ نے فوراً کہنا شروع کر دیا۔

آمنہ - نہانے سے بھی کیسا آرام ملتا ہے اور کیسا بدن ہلکا ہو جاتا ہے میں دیکھ رہی تھی کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ بدن میلا ہونے کی وجہ سے آپ کا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی۔ اب آپ کے چہرے سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا دل خوش ہے۔ خواہ مخواہ آپ تکلف میں بیٹھی رہتیں تو پھر رات کو نہانا پڑتا کیونکہ نیند تو بغیر نہائے آ نہیں سکتی تھی۔ مجھے تو اتنا پسینہ بھی نہیں آیا تھا پھر بھی یہ حالت ہے کہ دم گھٹا جا رہا ہے۔

حمیدہ - ہاں بہن میل کی وجہ سے ایسا تو معلوم ہوتا ہی ہے۔ لو جاؤ اب جلدی سے تم بھی نہا لو۔

آمنہ نے غسل کیا اور پھر شام کو کھانا کھا کر اپنے گھر کو واپس آئی۔ مگر اپنی خوش اخلاقی کا ایسا گہرا نقش حمیدہ کے دل پر چھوڑ گئی کہ رات کو حمیدہ

نے مصطفےٰ سے کہا :-

حمیدہ - تمہاری خالہ جان تو سچ مچ بڑی اچھی ہیں - میرا تو جی چاہتا ہے کہ روز ان سے ملا کروں -

مصطفےٰ - وہ بھی آپ کی بڑی تعریف کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں برابر تیسرے چوتھے روز جا کر گھر کی صفائی کرآیا کروں گی -

حمیدہ - اے ہے بس اب ان سے کوئی کام نہیں کراؤں گی مجھے آج ہی بڑی غیرت آئی - بھلا کوئی مہمانوں سے کام لیتا ہے - میں اب روز کے روز گھر کو صاف کرتی رہوں گی تو پھر انھیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی -

نواں باب

ایک ایک دن کر کے ہفتے اور مہینے گذرتے چلے گئے۔ فاروق کی چھ مہینے کی چھٹی ختم ہو گئی اور اس کے بعد انھوں نے چھ مہینے کی چھٹی اور لی۔ وہ بھی ختم ہو چکی اور وہ مصطفٰے کو روتا چھوڑ کر اور گریاں و نالاں آمنہ کو ساتھ لے کر راولپنڈی چلے گئے۔ سال بھر کی تعلیم اور تربیت نے مصطفٰے کے تمام چھپے ہوئے جوہر چمکا دئے اور اب وہ ایک نہایت خوبصورت، تندرست خوش خلق، خوش مزاج، نیک حلیم اور راستباز نوجوان بن گیا تھا۔ وحشت آوارگی، جہالت، غصہ، جھوٹ، فریب، سب افسانہ ہائے ماضی بن چکے تھے اور وہی مصطفٰے جسے پہلے کوئی اپنے قریب بٹھانے کا روادار نہ تھا اب اس قابل بن گیا تھا کہ جہاں جائے وہاں اس کی عزت کی جائے۔ اسکول یا کالج سے اس نے کوئی باقاعدہ ڈگری حاصل نہ کی تھی۔ لیکن اس کی عام معلومات اور خود انگریزی کی لیاقت بھی کسی طرح انٹرنس کے طالب علم سے کم نہ تھی۔ بلکہ عام معلومات کے لحاظ سے تو وہ بہت سے گریجویٹوں کا نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا تھا فاروق کی تعلیم نے اس میں خوبیاں ہی خوبیاں پیدا کی تھیں۔

اس لئے وہ ان تمام برائیوں سے بھی بالکل محفوظ تھا جو اسکولوں کے طالب علموں میں بالعموم پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک اچھا انسان بننے میں اگر اس میں کچھ کسر باقی تھی تو صرف اتنی کہ ابھی تک وہ زمانے کے نشیب و فراز سے ناآشنا تھا اور گرم و سرد کا تجربہ اسے نہ ہوا تھا اپنی ماں کی وہ حد سے زیادہ خدمت کیا کرتا تھا اور اب اسے حقیقتاً حمیدہ سے محبت پیدا ہو گئی تھی۔ حمیدہ کی عمر ایسی بہت زیادہ نہ تھی لیکن خاوند کی موت، آمدنی کی کمی اور دیور کی انتہائی بدسلوکیوں نے اسے کچھ ایسا پژمردہ اور مضمحل کر دیا کہ وہ اکثر بیمار رہنے لگی اور بالآخر آمنہ کے جانے کے بعد صرف تین مہینے میں اس کا انتقال ہو گیا۔

باپ کی موت کے وقت اول تو مصطفےٰ بہت چھوٹا تھا۔ دوسرے اپنی آوارہ گردی اور کھیل کود میں اس قدر مبتلا تھا کہ اسے کچھ بہت زیادہ رنج نہ ہوا تھا لیکن اب حالات بالکل مختلف تھے۔ عمر بھی کچھ زیادہ ہو گئی تھی اور طبیعت گداز اور قلب میں رقت بھی کافی پیدا ہو گئی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ اس دنیا میں اب اسے کوئی سہارا نظر نہ آتا تھا۔ ان تمام باتوں نے مل کر کچھ ایسا اثر کیا کہ اسے رات دن کا رونا لگ گیا۔ وہ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا اور اسے کوئی اتنا نظر نہ آتا تھا جو اس کے سر پر ہاتھ پھیرے یا کسی قسم کی تسلی اور تشفی کرے رشتہ داروں میں ایک چچا اور ایک چچی کا دم تھا مگر وہ دونوں کے دونوں تمام عمر اس کی ماں کے دشمن رہے تھے اور اگرچہ دنیا دکھاوے کو اس وقت انھوں نے کسی قدر ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور کہہ سن کر مصطفےٰ کو اپنے گھر لے گئے تھے مگر وہ خوب جانتا تھا کہ چچی ہرگز ہرگز اس کی روادار نہیں ہو سکتیں

اور یہ انتظام بالکل عارضی ہے۔ رہ رہ کر اسے آمنہ اور فاروق یاد آتے تھے اور بار بار اس کا دل یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کے پاس پہنچ جائے۔ اپنی ماں کے مرنے کی اطلاع وہ انھیں دے چکا تھا اور ان کے جواب کا اسے انتظار رہتا تھا۔

چچا کے گھر آئے ہوئے ابھی اسے تیسرا ہی دن تھا کہ چچی صاحبہ نے اس سے نوکروں کی طرح کام لینا شروع کیا اور بازار کے متعدد پھیرے کرانے کے علاوہ گھر کے کاموں میں بھی اس سے بہت کچھ مدد لی۔ مصطفیٰ کام سے گھبرانے والا نہ تھا اور اس نے باہر کے سب کام نہایت شوق سے دوڑ دوڑ کر کیے لیکن جب اسے گھر کے کاموں کے لئے بار بار پڑھنے سے اٹھایا گیا تو اسے سخت ناگوار گزرا بالخصوص اس لئے کہ ان کاموں سے اس کے ہاتھ میلے ہوتے تھے اور کپڑوں کے میلے ہو جانے کا بھی بہت کچھ اندیشہ تھا۔ اپنے کپڑوں کو بچا بچا کر اسے کام کرتے دیکھ کر چچی صاحبہ کو غصہ آیا اور بولیں۔

چچی۔ بھئی مصطفیٰ ایسی امیری اور نزاکت سے اس گھر میں کام نہیں چلے گا ہم تو غریب آدمی ہیں یہاں رہوگے تو غریبوں ہی کی طرح رہنا ہوگا۔ دنیا اگر اپنے کپڑوں کا خیال ایسے ہی کیا کرے تو پھر کوئی کام کیسے ہو جھاڑو دینے میں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ کپڑے میلے نہ ہوں۔

مصطفیٰ۔ جہاں تک ہو سکے وہاں تک تو کپڑوں کو بچانا ہی چاہیے۔

چچی۔ اے چل چل لڑکے ہوش کی دوا کر مجھے بوڑھی جروا کو سبق سکھانے آیا ہے ایسے ہی بڑے تمیز دار تھے تو اپنے گھر رہے ہوتے ماما خدمت گار، نوکر

رکھے ہوتے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے گھر میں ایسے نواب زادوں کا گزر نہیں ہے جو دن میں چھ چھ دفعہ ہاتھ دھوئیں اور روز روز کپڑے بدلیں

مصطفےٰ نے کچھ جواب نہ دیا اور خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

رات کو مصطفےٰ کی چچی نے اس کے چچا سے شکایت کی کہ مصطفےٰ کسی کام کو ہاتھ تک نہیں لگاتا اور برابر جواب دیا کرتا ہے۔

یہ الزام سرتاپا غلط تھا اور اس جھوٹ پر مصطفےٰ کو بے حد غصہ آیا اور وہ کسی طرح خاموش نہ رہ سکا۔

مصطفےٰ۔ چچی جان میں نے کونسا کام نہیں کیا۔ جو کام آپ نے بتایا میں نے اسی وقت کر دیا اور میں نے تو آپ کی کسی بات کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

چچی۔ اے ہے بچے! اس ذراسی عمر میں تو یہ حال ہے بڑا ہو کر تو خدا جانے کیا کرے گا منھ در منھ مجھے جھٹلائے لیتا ہے۔ بازار سے ذرا سا سودا لانا بھی نگوڑا کوئی کام تھا اور وہ کچھ میرا کام تھوڑا ہی تھا۔ اگر سودا نہ لاتے تو کھاتے کیا۔ اس لئے برا بھلا سودا لا کر میرے سر مار دیا اور تم نے کونسا کام کیا ہے؟ مجھے تو خود خیال رہتا ہے کہ ابھی ماں مری ہے بچے کا دل تھوڑا تھوڑا ہو رہا ہوگا۔ اسی لئے میں کسی کام کو کہتی نہیں اور جواب دینے کی بات تو یہ ہے کہ جیسے تمہارے لچھن ہیں کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، سارا محلہ، سارا شہر تمہاری حرکتوں سے واقف ہے۔

چچا۔ بھئی مصطفےٰ! اگر تمہیں اس گھر میں رہنا ہے تو اپنی چچی کی فرماں برداری کرنی پڑے گی میرے کانوں تک بھی تمہاری بہت سی شکایتیں اکثر پہنچتی رہتی ہیں۔

اور سچ یہ ہے کہ اس وقت کچھ بھائی صاحب مرحوم کا خیال آگیا جو میں تمہیں یہاں لے آیا ورنہ میرے گھر میں ایسے بچوں کا گزارا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

مصطفےٰ۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) چچا صاحب! میں آپ سے بالکل سچ کہتا ہوں کہ میں نے کسی بات میں بھی چچی جان کی نافرمانی نہیں کی ہے۔ سال بھر پہلے ممکن ہے کہ آپ نے میری شکایتیں سنی ہوں مگر اب ناممکن ہے کہ کسی کو مجھ سے شکایت ہو۔

چچا۔ اس کے یہی معنی ہوئے نا کہ میں جھوٹا ہوں اور تمہاری چچی بھی جھوٹی ہیں اسی کا نام سعادت مندی ہے کہ اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہا جائے۔ سال بھر میں آپ نے کیچلی بدل لی ہے یا دوسرا جنم لے لیا ہے۔ میں ہمیشہ بھائی صاحب سے کہا کرتا تھا کہ آپ نے لڑکے کو اس کے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آخر وہی ہوا۔ غضب خدا کا ہمارے منہ پر ہم دونوں کو جھوٹا بتا رہا ہے اور پھر یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ میں تو بڑا فرماں بردار ہوں۔ نا بابا نا! میرے گھر میں ایسے نالائق بچوں کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ یہی نا کہ چار آدمی یہی کہہ لیں گے کہ بڑا ظالم چچا ہے کہ اس نے بھائی کے مرتے ہی اس کے یتیم بچے کو گھر سے نکال باہر کیا۔ بلا سے میں سب کے طعن و تشنیع سن لوں گا۔ لیکن یہ گوارہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا ذرا سے بچے اٹھ کر ہمارے جوتیاں ماریں۔

مصطفےٰ۔ چچا صاحب! آپ مجھے گھر میں رکھئے یا نہ رکھئے مگر خدا کے لئے ایسے الزام تو مجھ پر نہ لگائیے۔ خدا نہ کرے کہ میں کبھی ایسا کمینہ بن جاؤں کہ اپنے بزرگوں کا ادب اور لحاظ نہ کروں۔ میں آپ سے پھر سچ کہتا ہوں کہ میں نے

کبھی کوئی گستاخی آپ کی یا چچی جان کی خدمت میں نہیں کی ہے۔

چچی۔ (دوپٹے سے منہ ڈھک کر اور رونا شروع کر کے) اچھا بھیا تمھارا کچھ قصور نہیں ہے۔ جو کچھ قصور ہے اس نگوڑی پھوٹی ہوئی تقدیر کا ہے۔ میری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ بڑھاپے میں بچوں کے ہاتھ سے جوتیاں کھانی پڑیں گی۔

چچا۔ (سخت برافروختہ ہو کر) مصطفےٰ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ تم دو چار دن میں کہیں اپنے رہنے کا انتظام کر لو۔ میں ہرگز تمھیں اپنے گھر نہیں رکھ سکتا۔ اور تم جانتے ہو کہ میں اپنی بات کا پکا آدمی ہوں جو کچھ کہہ دیا وہی کیا۔ اب اگر تم لاکھ خوشامد کرو گے تب بھی میں نہ مانوں گا۔ بس یہ آخری فیصلہ ہے۔

مصطفےٰ (بھرائی ہوئی آواز میں) چچا صاحب آپ مجھے رکھیں یا نکال دیں میں دور دنیون کے لئے کسی کی خوشامد کرنے کو کمینہ پن خیال کرتا ہوں۔ میں اگر آپ کی خوشامد کر رہا تھا یا کروں گا تو صرف اس لئے کہ آپ میرے بزرگ ہیں آپ اگر مجھے رکھنا نہیں چاہتے تو میں بھی آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ لیکن جب کہ آپ مجھے اپنے گھر سے نکال رہے ہیں تو میں مجبوراً محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالوں گا اور کسی نہ کسی مسجد میں پڑ کر سو رہا کروں گا۔

چچا۔ میری طرف سے تم مسجد میں سو دیا جہنم میں جاؤ۔ سب برابر ہے۔ میں ایسے شیطانوں کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔

مصطفےٰ کی چچی نے جب دیکھا کہ اب مصطفےٰ کا نکالا جانا یقینی ہو چکا اور اب خود مصطفےٰ ہی کی غیرت اسے وہاں ٹھیرنے کی اجازت نہ دے گی تو ظاہرداری

اور دنیا سازی کے لئے بولیں۔

چچی۔ اے ہے ذرا سا بچہ کہاں جا کے رہے گا! مجھے خبر ہوتی کہ تم اس قدر خفا ہو جاؤ گے تو اللہ جانتا ہے میں اس کی کوئی بات تم سے ہرگز نہ کہتی۔ میں تو جانوں تم اسے اب کی دفعہ معاف کر دو۔ بچہ ہے غلطی ہو گئی۔ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

مصطفےٰ۔ چچی جان اگر میں نے کوئی ذرا سا بھی قصور کیا ہوتا تو میں قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگ لیتا۔ مگر آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ جو کچھ آپ نے چچا صاحب سے کہا ہے۔ اس میں سے ایک قصور بھی میں نے کبھی نہیں کیا۔ آپ نے جتنے الزام مجھ پر لگائے ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے اس لئے میں معافی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔

چچی۔ بھیا تمہارے ان ہی لچھنوں نے تو تمہیں اس درجہ کو پہنچایا۔ میں تو تمہاری بھلائی کی کوشش کر رہی ہوں اور تم الٹا مجھی کو جھوٹا بنا رہے ہو۔ اللہ بخشے بھابی جان میں بھی یہی عادت تھی انھی سے تم نے سیکھی ہے۔

اپنی ماں کے متعلق یہ لغو اور جھوٹا الزام سن کر مصطفےٰ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصہ کی وجہ سے وہ کانپنے لگا اور رو پڑا۔

مصطفےٰ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) مجھے آپ جو کچھ چاہیں کہہ لیجئے مگر میری ماں کا خدا کے لئے ذکر نہ کیجئے۔

چچی۔ (کھسیانی ہو کر) آپ اپنی نصیحت رہنے دیجئے۔ میں نے تو کبھی ان کے جیتے جی بھی ان کی برائیاں نہ کیں۔ تو اب مرے پیچھے ان کے عیب کیا نکالوں گی وہ جیسی تھیں سب کو معلوم ہے۔ خدا نے اپنا فضل کیا پردہ ڈھک دیا۔

مصطفےٰ کا غصہ کچھ اور بھی بڑھ گیا۔ مگر اس نے انتہائی ضبط سے کام لیا اور ایک کونے میں جا کر رونے لگا۔

چچا اور چچی کے چہروں سے اطمینان اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا اور وہ باہم کچھ سرگوشیاں کر رہے تھے کہ یکایک مصطفےٰ کو کوئی خاص خیال آیا اور وہ اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا اور دروازہ پر بیٹھ کر ڈاکیہ کا انتظار کرنے لگا۔ مصطفےٰ کو اس طرح بیٹھے ہوئے کوئی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ ڈاکیہ آیا اور ایک خط دے کر چلا گیا۔ انتہائی عجلت اور شوق کے ساتھ اس نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

لفافہ میں سے دو خط نکلے۔ ایک آمنہ کا دوسرا فاروق کا۔ مصطفےٰ نے پہلے آمنہ کا خط پڑھا۔ اس میں بہت کچھ تسلی اور تشفی کی باتیں تھیں اور کچھ ایسے اچھے اور دلنشین الفاظ میں تھیں کہ مصطفےٰ کا دل بہت کچھ ہلکا ہو گیا اور آمنہ کی یاد اور اس کے خیال میں تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنی ماں کا مرنا اور اپنی موجودہ مشکلات غرض کہ سب کچھ بھول گیا۔ اس خط سے پورے طور پر لطف اندوز ہونے کے بعد اس نے فاروق کا خط پڑھنا شروع کیا اس میں بھی اسی قسم کی ہمدردی کا اظہار تھا اور آخر میں یہ لکھا تھا کہ میں منی آرڈر کے ذریعہ سے بیس روپے بھیج رہا ہوں اگر تمہیں وہاں رہنے میں ذرا سی بھی دقت ہو تو تم فوراً راولپنڈی چلے آؤ۔

مصطفےٰ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ خط تقسیم کرنے والا ڈاکیہ اور ہوتا ہے اور منی آرڈر تقسیم کرنے والا اور۔ دوسرے روز صبح کو جب ڈاکیہ آیا تو اس نے اس سے منی آرڈر کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ منی آرڈر لانے والا ڈاکیہ

دوسرا ہے اور وہ دوپہر کو آتا ہے۔ مصطفےٰ نے اس دوسرے ڈاکیہ کا انتظار کیا اور اس کی حیرت اور غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ منی آرڈر اس کے چچا نے کل ہی وصول کر لیا تھا۔ اس نے گھر میں آ کر چچا سے نہایت ادب کے ساتھ دریافت کیا۔

چچا۔ کیسا منی آرڈر؟ اب کیا مجھ پر چوری کی بھی تہمت لگائے گا؟

مصطفےٰ۔ خالو صاحب نے بیس روپے مجھے بھیجے تھے۔ ڈاکیہ کہتا ہے کہ کل وہ آپ کو دے گیا تھا۔ اگر آپ کو نہیں ملے ہیں تو میں ابھی ڈاک خانہ جا کر دریافت کرتا ہوں۔ میں نے آپ پر تو کوئی الزام نہیں لگایا ہے۔ غالباً ڈاکیہ نے مجھے دھوکا دیا۔

چچا نے دیکھا کہ معاملہ طول پکڑے گا اور اس کا انجام برا ہوگا۔ اس لئے بولے۔

چچا۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ یہ تمہارے خالو کون ہیں۔ جنھوں نے اس طرح تمہیں روپے بھیجے ہیں۔

مصطفےٰ۔ ہمارے پڑوس میں فاروق صاحب رہتے تھے انھیں اور ان کی بیوی کو مجھ سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ ان ہی نے مجھے پڑھایا لکھایا تھا۔ امی جان اور خالہ جان میں بھی بہت محبت ہو گئی تھی۔ میں نے امی جان کے انتقال کی خبر انھیں دی تھی انھوں نے یہ روپے بھیجے تھے اور لکھا تھا کہ اگر مجھے یہاں رہنے کچھ دقت اور تکلیف ہو تو ان کے پاس چلا جاؤں۔

چچا۔ تمہاری بدولت ہمیں جو کچھ ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑے کم ہے۔ ہماری

تقدیر میں یہ بدنامی بھی لکھی تھی کہ ہمارا بچہ غیروں کے گھر رہ کر پرورش پائے۔ ابھی سے تمھاری یہ حرکتیں ہیں اور اس طرح ساز باز کرنا آتا ہے تو آگے چل کر خدا جانے کیا کیا کروگے۔ بس یا تو خدا ہمیں موت دے دے یا تمھیں اپنے پاس بلالے۔ تمہارے روپے ڈاکیہ مجھے دے گیا تھا اور میں نے اسی خیال سے لے لئے تھے کہ تم بچے ہو یوں ہی فضول کچھ نہ کچھ چیزیں خریدنے میں ضائع کردوگے ڈاک خانہ جانے کی ضرورت نہیں ہے جب تمھیں درکار ہوں مجھ سے لے لینا۔

مصطفیٰ مطمئن ہوگیا اور روپیہ کی رسید فاروقی صاحب کو بھیجدی۔ تین چار روز میں مصطفیٰ نے یہی فیصلہ کیا کہ راولپنڈی چلا جائے اور اس طرح چچا اور چچی کے طعن وتشنیع سے نجات پائے ایک روز اس نے سب تیاری کر کے چچا سے کہا کہ میں آج راولپنڈی جارہا ہوں اور اب آپ وہ روپے دیدیجئے۔

چچا۔ اس وقت تو میرے پاس روپے نہیں ہیں اور آج تو میں کسی طرح بھی نہیں دے سکتا کل پرسوں تک خدا نے چاہا تو بندوبست کردوں گا مجھے کچھ تمہارے روپے رکھنے تھوڑا ہی ہیں۔

مصطفیٰ۔ آپ نے مجھے اپنے گھر میں رہنے کے لئے صرف چار روز کی اجازت دی تھی۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شہر بھر میں میرا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے اگر آپ روپے دیدیتے تو میں راولپنڈی چلا جاتا۔ اب اس طرح میں کہاں جاؤں

چچا۔ آٹھ دس روز میں تمہارے روپے کا بندوبست کردوں گا اور اس وقت تک تم نہیں رہ سکتے ہو۔ میں تو عمر بھر کے لئے تمھیں اپنے کلیجے سے لگا کر رکھتا۔ مگر میں کیا کروں تمہاری حرکتیں ایسی ہیں کہ میں مجبور ہوں۔

مصطفیٰ ۔ آٹھ دس دن تو بہت ہوتے ہیں ۔ ابھی تو آپ نے کل پرسوں تک بندوبست کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔

چچا ۔ تم تو اس طرح تقاضا کر رہے ہو کہ جیسے کوئی بنیا اپنے سود کا تقاضا کرتا ہے ۔ آخر جب کہ تم یہیں رہو گے تو تمھیں جلدی کیا ہے ۔ میں نے احتیاطاً آٹھ دس روز کہہ دئے ہیں ۔ ورنہ میری کوشش تو یہی ہوگی کہ جلدی سے جلدی تمہارا روپیہ تمھیں دے دوں۔

مصطفیٰ نے جس طرح بھی بنا وہ آٹھ دس روز گذارے اور اس عرصہ کے بعد بھی جب اسے یہی جواب ملا کہ ابھی پانچ چار روز اور صبر کرو تو اسے سخت مایوسی ہوئی ۔ مگر مجبور تھا کیا کرتا ۔ چار و ناچار خاموش ہونا پڑا ۔ اس عرصہ میں اس کی خط و کتابت آمنہ اور فاروق سے ہوتی رہی اور اس نے انھیں اس واقعہ کی اطلاع دیدی ۔ آٹھ دس روز کا زمانہ بڑھتے بڑھتے ایک مہینے کے قریب پہنچ گیا اور پھر بھی جب مصطفیٰ کو یہی جواب ملا کہ "گھبرائے کیوں جاتے ہو ۔ میں کچھ تمھارے روپے کھائے تو نہیں لیتا ہوں ۔ اتفاق سے آج کل میرا ہاتھ بہت تنگ ہے ۔ مجھے خود ہر وقت فکر رہتی ہے ۔ بس ایک ہفتہ میں اللہ نے چاہا تو ضرور دیدوں گا" تو اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے کہا

مصطفیٰ ۔ چچا صاحب آخر آپ ایک غریب یتیم بچے کو کیوں اس وقت ستا رہے ہیں، میں آپ سے آپ کی کوئی چیز نہیں مانگتا ۔ آپ سے کسی مہربانی یا رحم کا طلبگار نہیں ہوں ۔ صرف وہ روپے مانگتا ہوں جو ایک شریف شخص نے ترس کھا کر مجھے بھیجے تھے ۔ اور آپ نے ڈاکئے سے وصول کر کے خرچ کر ڈالے

روزمرہ آپ ہی کہہ دیتے ہیں کہ چار چھ روز اور ٹھہر جاؤ۔ اب میں کب تک ٹھہرا رہوں۔

چچا۔ (انتہائی غصہ سے) ابے سور، نالائق، تو ایسا ہو گیا کہ ہم سے اس قسم کی باتیں کرے! ہماری اتنی عمر آئی ہم نے کبھی آجتک کسی کی آدھی بات نہیں سنی اور اب تو ذرا سا ٹانگ برابر کا چھوکرا اٹھ اٹھ کر ہمیں ایسی ایسی باتیں سناتا ہے۔ جا یہاں سے چلا جا میرے پاس کسی کا روپیہ پیسہ نہیں ہے جو میں دوں جا۔ جا کے نالش کر دے۔ روپے اگر میں نے خرچ کر دیئے تو کیا ہوا، ایک مہینہ سے تو بھی تو میرے گھر بیٹھا ہوا تین تین وقت روٹیاں توڑ رہا ہے۔

مصطفٰے اپنے زمانہ جاہلیت میں بھی اس قسم کی گفتگو سننے کا عادی نہ تھا۔ تربیت اور تعلیم پانے کے بعد تو اس کے خیالات بہت ہی عالی ہو گئے تھے تھوڑی دیر تک تو وہ حیرت سے چچا کا منہ دیکھتا رہا اور اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن بعد میں اسے اس قدر غصہ آیا کہ اسے ضبط کرنا اسی کا کام تھا۔ اس قسم کی گفتگو کے بعد اس کا اس مکان میں ٹھہرنا ناممکن تھا۔ اس نے روپیوں پر بھی خاک ڈالی اور اسی وقت اپنے کپڑے وغیرہ لے کر بغیر کچھ کہے سنے نکل آیا۔

گھر سے نکل آنا تو کچھ دشوار کام نہ تھا۔ لیکن اب وہاں سے آنے کے بعد وہ سخت حیران تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ اول تو مصطفٰے کی ابھی عمر بھی بہت ہی کم تھی اس پر طرہ یہ کہ وہ دنیا سے کچھ اس درجے بے تعلق رہا تھا کہ اسے اس کے متعلق ذرا سا بھی تجربہ نہ تھا اور اب اتنی بڑی دنیا میں اپنے آپ کو

بالکل یکہ وتنہا پاکر اسے بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا اس کا جہاز ٹوٹ گیا ہے اور وہ سمندر میں موجوں کے رحم پر پڑا ہوا تھپیڑے کھا رہا ہے۔

سب سے پہلا خیال جو اس کے دل میں آیا وہ یہی تھا کہ اگر کسی طرح کرایہ فراہم ہو جائے تو وہ راولپنڈی چلا جائے۔ اس کے تمام اثاث البیت پر چچا نے قبضہ کر لیا تھا اور اب اس کے پاس چند جوڑے کپڑے ایک گھڑی اور ایک انگوٹھی تھی۔ گھڑی کی قیمت اسے معلوم تھی کیونکہ آمنہ کی درخواست پر فاروق نے اس کے لئے خریدی تھی اور اس کے سامنے ہی خریدی تھی۔ وہ اسی دوکان پر گیا اور وہ گھڑی دکھا کر اس نے پوچھا کہ اب آپ یہ گھڑی کس قیمت پر خرید لیں گے گھڑی ابھی بالکل ہی نئی تھی اور بلا کسی دقت کے نئی کی طرح فروخت کی جا سکتی تھی اس لئے دوکاندار نے اسے تین چوتھائی قیمت پر خرید لینا گوارہ کر لیا۔ اور مصطفےٰ کو تیس روپے نقد مل گئے۔ کلائی سے کھول کر گھڑی دیتے وقت مصطفےٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیونکہ یہ آمنہ کی نشانی تھی اور معمولی حالات میں وہ اسے دو چار سو روپیوں کے بدلے میں بھی علیحدہ نہ کرتا۔

روپے ہاتھ میں آتے ہی وہ سیدھا اسٹیشن پہنچا اور راولپنڈی کا کرایہ اور گاڑی کا وقت دریافت کر کے اطمینان کے ساتھ سفر کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔

راولپنڈی میں فاروق ایک مختصر مگر نہایت ہی خوبصورت مکان میں رہتے تھے وہ روزانہ صبح کو دفتر جایا کرتے تھے اور شام کے قریب تھکے ہارے آ کر جب چار پینے بیٹھتے تھے تو ہمیشہ مصطفےٰ کے متعلق گفتگو ہوا کرتی تھی۔ فاروق

اور آمنہ دونوں کو اس سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ اگر ان کا اپنا بچہ ہوتا تو اس سے زیادہ محبت اس سے بھی نہ ہوتی۔ حسب معمول آج بھی فاروق اور آمنہ چائے پیتے وقت یہی ذکر کر رہے تھے۔

فاروق۔ مصطفےٰ کے چچا نے غضب کیا۔ خدا جانے اب وہ کب اسے روپے دیں گے اور کب وہ یہاں آئے گا۔ بھتیجے کی کچھ مدد کرنے سے تو رہے۔ الٹے اور اسی کے روپے کر کھا گئے اور اب دئے نہیں جاتے۔

آمنہ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ روپے دیں گے ہی نہیں تم ایسا کیوں نہ کرو کہ ان بیس روپیوں پر خاک ڈالو اور کل پھر ایک منی آرڈر کر دو بلا سے بیس روپے زیادہ خرچ ہو جائیں گے ہو جائیں۔ بچہ یہاں تو آ جائے گا خدا جانے اب وہ کرکڑل کی چچی اسے کیسی کیسی تکلیف دے رہی ہوگی۔

فاروق۔ میں بھیج تو دوں مگر پھر بھی تو یہ ممکن ہے کہ روپیہ انھی کے ہاتھ میں جائے۔ جب کہ ایک دفعہ منی آرڈر کے متعلق کچھ جھگڑا نہیں ہوا تو اب تو ڈاکیہ اور بھی اطمینان کے ساتھ انھیں روپے دیدے گا

آمنہ۔ ایسا کرو کہ مصطفےٰ کو کل ایک خط بھی لکھ دو کہ ہم کل روپیہ بھیجیں گے اور اسے ہدایت کر دو کہ روزمرہ ڈاکیہ کا انتظار کر لیا کرے۔ اس طرح روپیہ اسی کے ہاتھ میں جائے گا۔

فاروق۔ (مسکراکر)، میں نے تمھارا نام لقمان حکیم غلط تھوڑا ہی رکھا ہے۔

آمنہ کچھ کہنے کو تھی کہ اتنے میں باہر سے لڑکا خط لئے ہوئے آیا جو ابھی شام کی ڈاک سے آئے تھے۔ فاروق نے جلدی جلدی ان پر ایک نگاہ ڈالی

اور مصطفیٰ کا خط اس میں دیکھ کر بے صبری کے ساتھ کھولا اور پڑھنے لگے۔

خالہ جان

میں راولپنڈی آنے کے لئے تیار ہو چکا تھا اور اسٹیشن پر بھی اسی ارادہ سے آیا تھا مگر اسٹیشن پر پہنچ کر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اب خدا کے فضل و کرم سے بڑا ہو گیا ہوں اور اب کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ میں اپنے خرچ کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈالوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ اس بوجھ کو کبھی ہرگز بوجھ نہیں خیال کریں گی۔ مگر جبکہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا تو اب میں آپ کے پاس اس آزادی اور خوشی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ایک دوسری شرم مجھے آپ سے اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جب چچا صاحب نے کسی طرح روپے نہ دئے تو میں نے آج ان سے ذرا سختی کے ساتھ تقاضا کیا۔ اس پر بگڑ کر انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہیں دوں گا اور بہت کچھ برا بھلا کہا اس لئے مجھے مجبوراً اسی وقت ان کے گھر سے چلا آنا پڑا۔ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا اس لئے حالانکہ میرا دل رو رہا تھا مگر مجبور ہو کر میں نے آپ کی دی ہوئی گھڑی بیچ ڈالی اور کرایہ کا سامان کر لیا۔ سب انتظام درست ہو چکے تھے اور میں آپ کے پاس آنے کے لئے اسٹیشن تک آ گیا تھا کہ یکایک میرے دل میں یہ جھجک پیدا ہوئی اور میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اب میں کسی

دوسری جگہ جا رہا ہوں اور وہاں اپنی قسمت آزماؤں گا اگر خدا نے کسی قابل کر دیا تو جس طرح بھی ممکن ہو گا آپ کو ڈھونڈ نکالوں گا، نہیں تو جس طرح لاکھوں کروڑوں آدمی اس دنیا میں نامراد مرتے رہتے ہیں اسی طرح ایک میں بھی سہی۔ آپ کے دل کو بڑا صدمہ ہو گا

مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ ہی کی اچھی تعلیم اور تربیت کا یہ نتیجہ ہے کہ مجھ میں اتنی غیرت پیدا ہو گئی ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گا ہر وقت آپ کو اور خالو صاحب کو یاد کرتا رہونگا اور اگر مر گیا تو آپ ہی کی یاد میں جان نکلے گی۔ اگر حالات ذرا بھی اچھے ہوئے تو میں بہت جلد آپ کو اپنے پتہ سے اطلاع دوں گا میری اچھی خالہ جان میری ...... خطائیں معاف کر دیجئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

آپ کا خادم

مصطفےٰ

فاروق خط پڑھ کر بے اختیار رونے لگے اور آمنہ کو دے دیا۔ آمنہ نے جلدی جلدی اسے پڑھا اور وہ بھی زار و قطار رونے لگی۔

فاروق۔ اب کیا ہو؟ خدا ہی جانے وہ کس طرف کو نکل گیا۔ اب جب کہ وہ خود ہی نہ لکھے کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ کس قدر بیوقوف لڑکا ہے۔

آمنہ۔ اس نے بیوقوفی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے۔ بلکہ غیرت کی

وجہ سے کیا ہے۔ میرے دل کو بے حد صدمہ پہنچا ہے۔ مگر میرا دل یہ کہہ کر خوش بھی ہوا ہے کہ ہماری تعلیم بیکار نہیں گئی اور مصطفےٰ حقیقت میں آدمی بن گیا۔ اسے بے شک بہت سخت تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی مگر دنیا کا تجربہ بھی خوب ہو جائے گا اور میرا دل کہتا ہے کہ چاہے اس کی جان پر بن جائے لیکن وہ ایسا کوئی کام نہ کرے گا جو اسے نہ کرنا چاہیے۔

فاروق۔ یہ تو مجھے بھی یقین ہے کہ مصطفےٰ ایک بہت ہی شریف اور نیک لڑکا بن گیا ہے میرے دل کو بھی اس کی طرف سے بہت کچھ اطمینان ہے لیکن دنیا کی آزمائشیں بہت بری ہوتی ہیں اور ابھی اسے ان سے دور ہی رہنا چاہیے تھا۔

آمنہ۔ کیا کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ اس کا پتہ لگ جائے۔

فاروق۔ ایک یہی صورت ہو سکتی ہے کہ میں چھٹی لے کر شہر بشہر مارا مارا پھروں

آمنہ۔ اسے کسی نہ کسی روزگار کی تلاش ہے اور روزگار کی تلاش میں کوئی چھوٹے چھوٹے شہروں میں نہیں جایا کرتا۔ جب تم اسے جغرافیہ پڑھایا کرتے تھے تو وہ اکثر کلکتہ بمبئی وغیرہ دیکھنے کی بہت خواہش ظاہر کیا کرتا تھا اور میرا خیال تو یہی ہے کہ غالباً وہ انھی بڑے بڑے دو چار شہروں میں سے کسی میں گیا ہو گا۔

فاروق۔ بمبئی میں تو میرے کئی ایک دوست ہیں ان سب کو آج ہی خط لکھے دیتا ہوں بلکہ اس کی تصویر سے اور تصویریں بنوا کر ایک ایک سب کے پاس بھیجدوں گا۔ کلکتہ کے متعلق کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔

آمنہ - یہ پولیس والے نگوڑے تمام دنیا کو پکڑتے پھرتے ہیں وہ اسے نہیں تلاش کر سکتے ؟

فاروق - کہتی تو ٹھیک ہو - دیکھو میں انتظام کرتا ہوں - انعام کے لالچ سے بہت سے پولیس والے اس کی تلاش پر آمادہ ہو جائیں گے -

آمنہ - میرے پاس پانچ سو روپے ہیں اور میں سب دینے کے لئے تیار ہوں -

فاروق - (ہنس کر) اپنے کچھ زیور بیچ ڈالو اور ایک ہزار کے انعام کا اشتہار دے دو

آمنہ - میں اپنا سارا زیور بھی دے دوں گی - تم اس کا پتہ تو لگاؤ -

دسواں باب

ریل میں سفر کرنے کا مصطفےٰ کو یہ پہلا اتفاق تھا۔ گاڑی میں جگہ کافی تھی اس لیے وہ لیٹ گیا اور اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے لگا۔ رات کا وقت تھا ریل کی یکساں رفتار اور ایک سی آواز نے اس کے دماغ پر اثر کیا اور وہ سو گیا صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو مغل سرائے کے اسٹیشن پر گاڑی پہنچ چکی تھی وہ اٹھا اور بیٹھ کر اسٹیشن کا تماشا دیکھنے لگا۔ کچھ مسافر اتر رہے تھے اور کچھ سوار ہو رہے تھے۔ ایک شریف صورت شخص اس گاڑی میں بھی سوار ہوئے کہ جس میں مصطفےٰ بیٹھا تھا اور مصطفےٰ کے برابر ہی بیٹھ گئے۔

اجنبی۔ میاں صاحبزادے آپ کہاں جائیں گے۔

مصطفےٰ۔ جی میں کلکتہ جا رہا ہوں

اجنبی۔ کلکتے! وہاں آپ کے والد صاحب ہوں گے۔

مصطفےٰ۔ جی نہیں۔ وہاں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔

اجنبی۔ تو کیا گھر سے ناراض ہو کر چلے آئے ہو!

مصطفےٰ ۔ جی نہیں میرے والدین کا انتقال ہو چکا ہے ۔ اور میں کلکتے اس لئے جا رہا ہوں کہ وہاں شاید کوئی روزگار مل جائے

اجنبی نے مصطفےٰ کو بہت گہری نظروں سے دیکھا اور بولا ۔

اجنبی ۔ کلکتے میں بھائی تم ٹھیروگے کہاں ؟

مصطفےٰ ۔ سرائے میں ۔

اجنبی ۔ (ہنس کر) تم کلکتے جا رہے ہو اور تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہاں کوئی سرائے نہیں ہے ۔

مصطفےٰ ۔ (تعجب سے) کیوں کلکتے میں سرائے کیوں نہیں ہے

اجنبی ۔ سبب میں کیا بتاؤں ۔ مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہاں سرائے نہیں ہے

مصطفےٰ ۔ (پریشان ہو کر) تو پھر وہاں مسافر کہاں ٹھیرتے ہیں ؟

اجنبی ۔ وہاں وہی مسافر جاتے ہیں جن جن کے ٹھیرنے کا کوئی ٹھکانا ہو ۔

مصطفےٰ ۔ یہ تو بڑی مشکل ہوئی ۔ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ جس طرح اور شہروں میں سرائیں ہوتی ہیں وہاں بھی ہوں گی ۔

یہ کہہ کر وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا اور سوچتے سوچتے محض ایک اتفاقیہ طور پر اس کا ہاتھ جیب میں گیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ خالی ہے اسے یاد آیا کہ اس نے کل رات میں سب روپے اسی جیب میں رکھے تھے ۔ گھبرا کر اس نے اچھی طرح جیب کو ٹٹولا تو اس میں ریل کے ٹکٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا ۔ احتیاطاً اس نے اور جیبیں دیکھیں اور جب ان میں بھی روپے نہ ملے تو اس نے اپنا بستر دیکھنا شروع کیا ۔ گھبرا گھبرا کر وہ کبھی تکیہ الٹتا تھا اور

کبھی رضائی اور کبھی پھر جیبیں ٹٹولنے لگتا تھا۔ اس کے حواس بالکل مختل ہوگئے تھے اور کچھ سمجھ میں ؟ آتا تھا کہ کیا ہوگیا۔ اور وہ کیا کر رہا ہے۔ اس اجنبی مسافر نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو پوچھا

اجنبی۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ کیا چیز گم ہوگئی ؟

مصطفےٰ۔ میرے پاس قریب قریب اٹھارہ روپے تھے اور مجھے خوب یاد ہے کہ کل شام کو میں نے وہ اپنی اس جیب میں رکھے تھے اب کہیں ان کا پتہ نہیں ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگئے۔

اجنبی۔ (مسکرا کر) بھائی تم ابھی بالکل ناتجربہ کار ہو۔ بھلا ریل کے سفر میں اس طرح اوپر کی جیب میں روپے رکھ کر سو جانا کس نے بتایا ہے ضرور کسی نہ کسی مسافر نے سوتے میں جیب سے نکال لئے۔

ایک اور مسافر۔ کم بخت کیسے ظالم لوگ ہوتے ہیں ! ہائے ہائے۔ اب یہ غریب بچہ کیا کرے گا ! کیوں بھائی تمہارے پاس کچھ اور بھی ہے یا کل رقم وہی تھی۔

مصطفےٰ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) شاید پانچ پیسے باقی ہیں۔ جو دوسری جیب میں تھے۔

پہلا مسافر۔ میاں صاحبزادے مجھے تمہارے حال پر بہت ترس آتا ہے میرا نام محمد یوسف ہے اور بڑے بازار میں میری دوکان ہے۔ اگر تم وہاں آجاؤ گے تو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔

مصطفےٰ۔ (کسی گہرے فکر سے چونک کر) جی مجھے محمد مصطفےٰ کہتے ہیں۔

دوسرا مسافر۔ افسوس کہ ہماری قوم میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے کہ اس قسم کے شریف بچوں کی کوئی خبر گیری ہو سکے جو یتیم اور لاوارث ہو جاتے ہیں۔ (آنکھوں میں آنسو بھر آئے) میاں مصطفیٰ افسوس ہے کہ میں کسی قابل نہیں ہوں۔ مگر تمہاری مصیبت نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے۔ (بند مٹھی مصطفیٰ کی طرف بڑھا کر) لو یہ ایک حقیر سی رقم ہے اسے رکھ لو اس سے کم سے کم اتنا تو ہو سکے گا کہ تم بھوکے نہ رہوگے اور اپنے لئے روزگار تلاش کرنے میں آسانی ہوگی۔

مسافر کی بند مٹھی اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر مصطفیٰ کے چہرے پر غصہ اور نفرت کے آثار پیدا ہوئے اور وہ اس سے بچنے کے لئے سمٹ کر کونے میں دبک گیا۔ انتہائی حقارت کے ساتھ اس نے کہا۔

مصطفیٰ۔ جناب معاف کیجئے میں کوئی فقیر نہیں ہوں اور خدا کا شکر ہے کہ محنت مزدوری کر سکتا ہوں۔ آپ کی ہمدردی کا میں دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر یہ رقم میں نہیں لے سکتا۔

جس انداز میں مصطفیٰ نے یہ گفتگو کی تھی وہ اس قدر حقارت آمیز تھا اور اس سے اس قدر سچائی ٹپکتی تھی کہ گاڑی میں جتنے مسافر بیٹھے تھے سب حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور بڑی بڑی عمر کے اچھے خاصے متمول اور مال دار لوگ سب کے سب اس فقیر و نادار لڑکے سے مرعوب نظر آرہے تھے جس مسافر نے مصطفیٰ کو روپے دینا چاہے تھے اس نے ندامت کے ساتھ چپکے سے وہ روپے اپنی جیب میں رکھ لئے اور بولا۔

مسافر۔ بھائی مصطفےٰ تم واقعی بیحد شریف ہو۔ میں نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ صرف ہمدردی کی وجہ سے تھا اور مجھے دلی افسوس ہے کہ میں نے نادانستہ طور پر تمہارا دل دکھایا۔ کاش ہماری قوم میں ایسے غیرت مند نوجوان بہت سے ہوتے۔

مصطفےٰ اپنے خیالات میں غرق تھا اور ڈاک گاڑی برابر اسٹیشن پر اسٹیشن طے کرتی اڑی چلی جا رہی تھی کہ یکایک لوگوں میں ایک ہل چل سی پیدا ہوئی اور ہر شخص نے یہ کہہ کر کلکتہ آگیا، اپنا اپنا اسباب درست کرنا شروع کیا، مصطفےٰ بھی ایک غمگین دل لیئے ہوئے اٹھا اور اپنے دو چار کپڑے اور رضائی لپیٹ لپاٹ کر تیار ہو گیا۔ ضبط کی انتہائی کوششوں کے باوجود اس کا چہرہ رنج والم کی تصویر تھا اور تقریباً ہر مسافر کی نگاہ اسی پر جمی ہوئی تھی۔ اسٹیشن آیا لوگوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بدحواسی اور گھبراہٹ کے ساتھ مسافروں نے جلدی جلدی اترنا شروع کیا۔ ہر شخص کی یہی کوشش تھی کہ دوسروں سے پہلے وہی اتر جائے۔ مصطفےٰ ایک کونہ میں الگ کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھتا رہا اور جب سب لوگ اتر گئے تو اس نے بھی با دل ناخواستہ انسانی آبادی کے اس بحر ذخار میں اپنی کشتی خدا کے بھروسہ پر ڈال ہی دی۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے دیکھا کہ وہی مسافر جس نے اسے روپے دینا چاہے تھے اس کا انتظار کر رہا ہے جب یہ قریب پہنچا تو اس نے کہا۔

مسافر۔ مصطفےٰ تمھیں روپے کی سخت ضرورت ہے مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے کلکتہ میں تمہارا کوئی جان پہچان بھی نہیں ہے جہاں تم چلے جاؤگے ایسی حالت میں اگر تم مجھ سے کچھ لے لو تو کچھ حرج نہیں ہے میں تمہاری غیرتمندی کی دل سے قدر کرتا ہوں، لیکن بھائی ضرورت بہت بری چیز ہے اور ضرورت

بڑے بڑے شیروں کو لومڑی بنا دیا کرتی ہے۔

مصطفیٰ۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) آپ بہت ہی نیک اور اچھے آدمی ہیں اور میرے دل میں آپ کی بڑی عزت پیدا ہو گئی ہے مگر میں کیا کروں مجبور ہوں کہ اس ذلت کو تو کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتا

مسافر۔ اچھا تو پھر اس پر تیار ہو کہ محنت مزدوری کر لو۔

مصطفیٰ۔ اس کے لئے بڑی خوشی سے تیار ہوں اور اگر آپ کوئی کام بتا دیں تو آپ کا بے حد احسان ہو گا۔

مسافر۔ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک غریب آدمی ہوں، میرا نام عبدالغفور ہے اور نواب ریاض الدین صاحب کے یہاں ملازم ہوں اس وقت بھی نواب صاحب ہی کے ساتھ سفر میں تھا۔ وہ تو چلے گئے ان کا سامان یہاں ہے، اگر تم پسند کرو تو اسے اٹھا کر تم باہر گاڑی تک پہنچا دو، جو مزدوری کہ ایک قلی کو دی جاتی ہے وہ تمہیں مل جائیگی

مصطفیٰ نے فوراً اپنی رضائی ایک طرف کو رکھ دی اور نواب صاحب کا تمام سامان اٹھا اٹھا کر باہر گاڑی میں رکھ آیا اور چھ آنے پیسے لے کر عبدالغفور سے رخصت ہو گیا۔ ریل ہی میں اسے معلوم ہو گیا تھا کہ کلکتہ میں بخش الٰہی اینڈ کمپنی کا بنوایا ہوا ایک بہت بڑا مسافر خانہ ہے اور ہر مسافر وہاں تین روز تک قیام کر سکتا ہے وہ سیدھا وہیں پہنچا اور اپنے کپڑے ایک کمرے میں رکھ کر باہر نکلا کہ اگر ممکن ہو تو بسر اوقات کی کوئی صورت پیدا کرے۔

گیارہواں باب

سب سے پہلے مصطفٰے کو احمد دین کا خیال آیا اور اس نے سوچا کہ ان سے مل کر یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کس قسم کی مدد دے سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ سیدھا بڑے بازار گیا اور محمد یوسف کی دوکان تلاش کر لی۔ دوکان کچھ بہت بڑی نہ تھی اور بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ محمد یوسف ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے۔ محمد یوسف ایک کشیدہ قامت اور بہت اچھے ہاتھ پیروں کا آدمی تھا اور اس کی آنکھوں سے اولوالعزمی اور بے خوفی ٹپکتی تھی۔ اس کے تمام چہرہ میں اس کی ٹھوڑی کا انداز کچھ ایسا تھا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ضدی اور کسی قدر ظلم پسند انسان ہوگا۔ محمد یوسف نے مصطفٰے کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور خود ہی بولا کہ تم غالباً مجھے میرا وعدہ یاد دلانے آئے ہو۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ تم کیا کام کر سکتے ہو۔

مصطفٰے۔ میں کوئی خاص کام نہیں جانتا اور ہر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔

محمد یوسف۔ (کچھ سوچ کر)، ہر کام کے لئے تیار ہو۔ اچھا میں نے تمہارے لئے ایک بہت آسان کام تجویز کیا ہے اور وہ یہ کہ تم ہر دسویں پندرھویں دن گورکھپور جا کر میرا ایک پارسل لے آیا کرو۔ مگر تمہیں اس بات کا عہد کرنا پڑے گا کہ خواہ

کچھ بھی ہو اور کوئی کتنا ہی پوچھے تم ہرگز ہرگز کسی کو یہ نہ بتاؤ گے کہ پارسل تمھیں کس نے دیا ہے اور کس کے پاس لے جا رہے ہو۔

مصطفےٰ ۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں کسی کو بتاؤں اور مجھ سے پوچھنے ہی والا کون بیٹھا ہے۔

محمد یوسف ۔ تم وعدہ کرتے ہو؟ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم اپنا وعدہ کسی وقت بھول جاؤ۔

مصطفےٰ ۔ نہیں میں وعدہ کرتا ہوں اور اسے ضرور یاد رکھوں گا۔

اس گفتگو کے بعد محمد یوسف نے مصطفےٰ کو بہت دیر تک گورکھپور کے متعلق کچھ ضروری ہدایات دیں اور رخصت ہوتے وقت اس سے کہا کہ اپنے روپے ریل میں کھو کر تمھیں کافی تجربہ ہو گیا ہو گا۔ میں نے جو کچھ دیا ہے اسے احتیاط سے رکھنا اور اپنا وعدہ ہر وقت اور ہر حالت میں یاد رکھنا۔

جب مصطفےٰ رخصت ہو کر چلا گیا تو محمد یوسف کے ملازم نے جو شکل و صورت سے ایک خوفناک آدمی معلوم ہوتا تھا کہا کہ "آپ ہر ایک پر اتنی جلدی اعتبار کر لیتے ہیں، بھلا اس بچہ کا کیا بھروسہ ہے"

محمد یوسف ۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولے گا اور چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے وعدہ خلافی نہ کرے گا۔ لیکن یہ اسی وقت تک ہے کہ جب تک اسے اصل حالات معلوم نہ ہوں۔ اگر اسے جھوٹوں بھی اصلیت کا پتہ لگ گیا تو پھر کبھی اس دوکان کی طرف بھی نہ آئے گا۔ اس لئے خدا کے لئے تم ذرا اپنی زبان بند رکھنا۔

مصطفیٰ کو اپنے سفر پر گئے ہوئے چھ روز ہو چکے اور قرار داد کے مطابق اسے کل ہی آجانا چاہیئے تھا۔ محمد یوسف سخت بے چینی اور بے صبری کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا کہ یکایک اس کا نوکر گھبرایا ہوا آیا۔

محمد یوسف۔

نوکر۔ وہ مصطفیٰ پکڑا گیا۔

محمد یوسف۔ (گھبرا کر) کیا ہوا۔ کیا مصطفیٰ پکڑا گیا! ابے سچ بتا تجھے کیسے معلوم ہوا۔

نوکر۔ (اطمینان کے ساتھ) آپ نے بھی تو غضب کیا تھا۔ ایک ایسے بچے کے سپرد یہ کام کر دیا۔ پولیس والے اچھے اچھے ہوشیار کام کرنے والوں کو پکڑ لیتے ہیں تو بھلا اس بچے کی کیا حقیقت تھی۔

محمد یوسف۔ (سر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا) اچھا پھر اس نے سب کچھ بتا دیا!

نوکر۔ ابھی تک تو نہیں بتایا ہے۔ مگر پولیس والے پوچھ کے چھوڑیں گے۔

محمد یوسف۔ یہ تو بہت بری ہوئی۔ وہ لڑکا آسانی سے تو نہیں بتائے گا مگر یہی ڈر لگتا ہے کہ کہیں پولیس والوں کے تکلیف دینے سے تنگ آکر صحیح حالات نہ بتا دے

نوکر۔ میں تو پہلے ہی منع کرتا تھا۔ آپ ہی کو اس پر اتنا اعتبار تھا۔

محمد یوسف۔ میرا اعتبار تو ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک اس سے ممکن ہو گا وہ ہرگز نہ بتائے گا۔ دیکھو تم کسی طرح پتہ تو لگاؤ اور ہاں پہلے دوکان کا اطمینان کر لو کہ یہاں تو کچھ نہیں ہے

نوکر ۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔
محمد یوسف ۔ تو وہ اگر بتا بھی دے تو ہمارا کیا بگڑ جائے گا۔ ہم کہہ دیں گے کہ وہ جھوٹا ہے
نوکر ۔ خبر لینے کے لیے چلا گیا اور محمد یوسف پر خوف کا اس قدر غلبہ ہوا کہ وہ دوکان بند کرکے گھر چل دیا۔
مصطفیٰ ۔ درحقیقت پولیس کی حراست میں تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ جو پارسل وہ گورکھپور سے لارہا تھا اس میں افیون تھی جو ناجائز فروخت کے لیے منگوائی گئی تھی۔ اسے محمد یوسف پر سخت غصہ بھی آیا کہ اس نے اسے بالکل بے خبر رکھ کر اپنے جرم میں شریک کر لیا اور اسی غصہ کی حالت میں کئی مرتبہ اس کے دل میں آیا کہ وعدہ اور عہد کی پابندی کی پروا نہ کرے اور پولیس کو سب کچا چٹھا سنا دے لیکن ہر مرتبہ اس خیال کے ساتھ ہی آمنہ کی صورت اس کی نگاہوں کے سامنے آجاتی تھی اور وہ کسی قدر مجبور سا ہو کر یہی فیصلہ کرتا تھا کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا۔

پولیس والے اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ یہ اس کا اپنا فعل نہیں ہے اور اسی لئے ہر امکانی کوشش کر رہے تھے کہ اصل مجرم کا سراغ لگائیں۔ عبدالعزیز پولیس انسپکٹر ایک بہت ہی نیک اور خدا ترس شخص تھے اور انھیں یقین ہو گیا تھا کہ مصطفیٰ بالکل بے قصور ہے۔ انھوں نے مصطفیٰ کو اپنے کمرے میں بلایا اور کہا۔
عبدالعزیز دیکھو مصطفیٰ تم اپنی ضد کی وجہ سے بالکل بے گناہ سزا پا جاؤ گے

یہ ہم لوگوں کو یقین ہے کہ کسی بدمعاش نے تمہیں دھوکہ دیا ہے اور اس طرح تمہارے ذریعہ سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اب بھی سب حال مجھے بتا دو

مصطفےٰ۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہے کہ مجھے پارسل کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا ہے۔ اور میں یہ بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ مجھے دھوکا دیا گیا۔ لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں اپنے وعدہ سے مجبور ہوں۔ میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے مگر کسی کو اصل حالات نہ بتاؤں گا۔ اس لئے اب آپ کو بتا دوں تو وعدہ خلافی ہولی۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) آپ کے آدمیوں نے مجھے پکڑا ہے اور اب میں ہی مجرم ہوں آپ مجھے سزا دے دیجئے۔ میں وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اور اس کی پابندی کے لئے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھانے کو تیار ہوں

عبدالعزیز۔ کیا تم نے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا ہے

مصطفےٰ۔ جب سے خالہ جان نے منع کر دیا کبھی نہیں بولا ہے اور نہ کبھی بولونگا

عبدالعزیز۔ تمھیں معلوم بھی ہے کہ جیل خانے میں کیسی کیسی تکلیفیں ہوتی ہیں

مصطفےٰ۔ اس سے بڑی کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی کہ میرا دل ہر وقت مجھے برا کہتا رہے۔

عبدالعزیز۔ تمہارا دل کیا تمہیں اس بات پر ملامت نہ کرے گا کہ تم جیل خانے گئے۔

مصطفےٰ۔ میرے دل کو اطمینان ہے کہ میں نے جرم نہیں کیا ہے اور صرف اس لئے قید میں پڑا ہوں کہ میں اپنا وعدہ جھوٹا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

عبدالعزیز بہت دیر تک مصطفیٰ کی صورت دیکھتے رہے اور کچھ سوچتے رہے اس کے بعد نہ معلوم کیا خیال آیا کہ مصطفیٰ کو حوالات میں بھجدیا اور خود کچھ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے ایک سپاہی کو آواز دی اور کہا کہ " ذرا شیر سنگھ صاحب کو بلا لاؤ "۔ سپاہی گیا اور اس کے ہمراہ ایک نوجوان پولیس افسر آیا اور عبدالعزیز نے کہا۔

عبدالعزیز۔ شیر سنگھ صاحب اس لڑکے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

شیر سنگھ۔ وہی لڑکا جس کے پاس سے افیون پکڑی گئی ہے؟

عبدالعزیز۔ جی ہاں۔

شیر سنگھ۔ میرے خیال میں وہ کسی بدمعاش کا آلۂ کار ہے۔ کیا اس نے کچھ نہیں بتایا۔

عبدالعزیز۔ وہ بیحد نیک اور شریف لڑکا ہے۔ اس سے وعدہ لے لیا گیا تھا کہ کسی حالت میں بھی راز فاش نہ کرے گا اور اس وقت تک اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ راز کیا ہے۔ اس لئے اس نے وعدہ کر لیا اور اب ہر طرح کی تکلیف اٹھانے کو تیار ہے لیکن وعدہ خلافی کرنا نہیں چاہتا۔

شیر سنگھ۔ تعجب ہے۔

عبدالعزیز۔ میں نے ایک تدبیر سوچی ہے اور ممکن ہے کہ اس طرح اصل مجرموں کا پتہ چل جائے۔

شیر سنگھ۔ وہ کیا۔

عبدالعزیز۔ ہم مصطفیٰ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیں کہ ہماری رائے میں تم بے گناہ ہو

وہ آزاد ہونے کے بعد قدرتی طور پر ان ہی لوگوں کے پاس جائے گا کہ جھوں نے
اسے اس طرح پھنسا دیا تھا اور شکایت کرے گا۔ یہاں سے چند بہت ہی ہوشیار
اور تجربہ کار آدمی سادہ لباس میں اس کے پیچھے پیچھے جائیں، تلاشی کا وارنٹ ان کے
پاس ہو اور اگر مصطفےٰ ایسی ہی جگہ جائے تو فوراً تلاشی لے لیں۔ ممکن ہے کہ کوئی
چیز مکان سے برآمد ہو جائے۔

شیر سنگھ۔ تدبیر تو بہت معقول ہے میں خود جاؤں گا مجھے یہاں کے لوگ پہچانتے
بھی نہیں ہیں۔

تمام ضروری کارروائیاں کرنے کے بعد مصطفےٰ کو بلایا گیا۔ عبدالعزیز نے
اسے بہت سی نصیحتیں کیں اور بالآخر چھوڑ دیا۔

بارھواں باب

"رام لیلا" نامی جہاز اپنی پوری عظمت و شان کے ساتھ خلیج بنگال کے سینہ کو اپنے طاقت ور انجنوں کی مدد سے چیرتا ہوا جنوب مشرق کی طرف منھ اٹھائے سیدھا چلا جا رہا ہے۔ پانی کی ہلکی ہلکی موجیں زور باندھ کر آتی ہیں اور کوشش کرتی ہیں کہ کسی طرح اس آہنی دیو کو دھکے دے کر پچھاڑ دیں۔ اور ہزاروں لاکھوں اور کشتیوں اور جہازوں کی طرح اسے بھی اپنے پیٹ میں رکھ لیں۔ لیکن "رام لیلا" ایک ادائے فخر و غرور کے ساتھ ان کی صفوں کو چیر اپنا سر اونچا کرتا ہے اور انھیں پاؤں سے ٹھکراتا ہوا برابر آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے اس کے انجنوں کے کل پرزوں کی مسلسل اور باقاعدہ ضربات برابر سمندر کے دل و جگر پر گھونسے لگا رہی ہیں اور ان پیہم صدمات سے بے تاب ہو کر یہ برما اور ہندوستان کا درمیانی سمندر چیخ اٹھتا ہے اور اس کے شور و فغاں سے تمام فضا لرز رہی ہے۔

کلکتہ چھوڑے آج تیسرا روز تھا اور باایں ہمہ تیز رفتاری ابھی "رام لیلا" نے بمشکل آٹھ نو سو میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ قدرت کو سمندر کے حال زار پر

رحم آگیا اور کارکنان قضا و قدر اس کی امداد پر آمادہ ہوگئے ادھر سے طوفانی آندھیاں چلنی شروع ہوئیں اور ادھر سے سمندر کی دل شکستہ موجوں نے پھر ایک دفعہ متفق ہوکر اپنا تمام زور اس جگر شگاف دشمن سے بدلہ لینے پر صرف کر دیا ایک ذرا سی دیر میں طوفان نے وہ زور باندھا کہ مغرور جہاز کے سربلند مستول تاب مقاومت نہ لا سکے اور ٹوٹ ٹوٹ کر سرنگوں ہوگئے۔ موجوں کا یہ عالم تھا کہ اچھا خاصا ایک پہاڑ سطح سمندر سے اٹھتا تھا اور تمام جہاز کو ڈھک لیتا تھا ہر مرتبہ موجوں کی اس یورش کے موقع پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ اب جہاز کو اس آبی جال سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ مگر وہ جہاز بھی کوئی معمولی سا جہاز نہ تھا۔ بار بار وہ ان خونخوار موجوں کے اندر دفن ہو جاتا تھا اور بار بار ہزار دقت و خرابی انھیں چیر کر پھر اپنا سر ذرا اونچا کرتا تھا۔ جہاز اور موجوں کے درمیان گاؤزوریاں ہوتے گھنٹے گزر گئے اور جب جہاز کے کپتان اور ملاحوں کی سراسیمگی نے مسافروں پر یہ بات ظاہر کر دی کہ اب جہاز میں مقابلہ کا دم باقی نہیں رہا ہے تو ان کی مایوسی اور پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر شخص گھبرا گھبرا کر ادھر سے ادھر بھاگنے کی کوشش کرتا تھا اور جب جہاز کے جھٹکے اسے گرا دیتے تھے یا پانی کی کوئی موج اسے سر سے پاؤں تک بھگو کر چلی جاتی تھی تو وہ جہاز کے جنگلے کے سہارے بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیتا اور رونے لگتا تھا۔ جو لوگ ذرا زیادہ مستقل مزاج تھے وہ ساکت و صامت بیٹھے ہوئے خدا کو یاد کر رہے تھے کہ اس مصیبت کو کسی طرح ٹال دے۔ عورتوں کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔ ان میں سے اکثر تو بے ہوش پڑی تھیں اور بعض جو ہوش میں

تھیں وہ طوفان کے ہر جھونکے اور موجوں کی ہر ٹکر کے ساتھ اپنے بچوں کے اوپر اوندھی گر پڑتی تھیں اور انھیں چھاتی سے لگا لیتی تھیں۔ بیسیوں عورتیں اور بعض مرد بالکل پاگل ہو گئے تھے اور کئی ایک جہاز کی مصیبت سے بچنے کے لئے سمندر میں کود پڑے۔ کئی ایک عورتوں نے یہ سمجھ کر کہ جہاز کے اندر ان کے بچے کی جان خطرہ میں ہے اسے اٹھا کر اپنے ہاتھ سے سمندر میں پھینک دیا اور مطمئن ہو گئیں کہ اب بچہ محفوظ جگہ پر پہنچ گیا ہے۔

جہاز میں جان بچانے کی کشتیاں صرف دو تھیں اور ہر کشتی میں صرف سے زیادہ ساٹھ آدمی بیٹھ سکتے تھے دو ایک بڑے بڑے تختے لوہے کی چادروں کے بھی بنے ہوئے تھے ان میں چاروں طرف رسی کے چھوٹے چھوٹے پھندے لگے ہوئے تھے تاکہ ایک ایک پھندے کو ایک ایک آدمی پکڑ لے اور اس طرح بہت سے آدمی تختے کے سہارے سے تیر سکیں کچھ ربڑ کی پیٹیاں تھیں جن کے اندر ہوا بھری ہوئی تھی اور جنھیں بغلوں کے نیچے باندھ لینے کے بعد انسان ڈوبنے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ کپتان کے حکم پر جلد جلد حفاظت جان کا یہ تمام سامان اتارا گیا، نہایت مختصر لفظوں میں کپتان نے ان کا استعمال لوگوں کو بتایا اور پستول دکھا کر یہ بھی سمجھا دیا کہ اس کے حکم کے بغیر جو شخص بھی کشتی میں قدم رکھے گا اسے بلا تکلف اور بلا تامل نشانہ بنا دیا جائے گا۔ جب لوگ کشتیوں میں بٹھائے جانے لگے تو معلوم ہوا کہ کپتان کا پستول دکھانا بے وجہ نہ تھا۔ ہر شخص کی یہی کوشش اور خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہی کشتی میں پہنچ جائے اور اگر پستول ان کی نگاہ کے سامنے نہ ہوتا تو یقیناً یہی ہوتا کہ ہر شخص ابھی کشتیوں

میں گھستا اور وہ جہاز سے بھی پہلے غرق ہو جاتیں ۔ مردوں نے حسب معمول اپنی عالی ہمتی اور بہادری کا ثبوت دیا اور سب سے پہلے کشتیوں میں عورتوں کو جگہ دی گئی اور ان کے بعد پہلے اور دوسرے درجے کے مرد، مسافروں کو ان میں بٹھایا گیا۔ مصطفےٰ نے اسی جہاز پر ملازمت کر لی تھی اور علیحدہ ایک طرف کو کھڑا ہوا بد حواسی اور پریشانی کا یہ ہیبت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں خوف دہراس مطلق نہ تھا اور اس کا فلسفیانہ دماغ اس وقت بھی غور و فکر میں مشغول تھا۔ اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی جب اس نے یہ دیکھا کہ جب عورتوں کو کشتی میں بٹھایا جا رہا تھا اس وقت بعض خود غرض اور بزدل مردوں نے ان سے پہلے خود بیٹھ جانے کی کوشش کی اور کپتان کے پستول نے بمشکل انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر انسان کو اپنی جان کیوں اس قدر پیاری ہے بار بار یہ خیال اس کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا کہ بعض انسان کیوں اس قدر بزدل اور نامرد ہوتے ہیں کہ کمزور دل اور بے کسوں کی خاطر اپنے اوپر تکلیف اٹھانا گوارہ نہیں کرتے اور کیوں ایسا ہوتا ہے کہ بعض بظاہر اچھے خاصے مرد عورتوں اور بچوں کی جانیں بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پسند نہیں کرتے اس کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے نفرت پیدا ہوئی جنھوں نے عورتوں سے پہلے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی اور انسانی خود غرضی اور خود پرستی کا یہ منظر اسے اتنا برا معلوم ہوا کہ وہ وہاں سے چلا آیا اور جہاز کے دوسری طرف کھڑے ہو کر اس مہیب اور زبردست موج کو دیکھنے لگا جو ایک پہاڑ کی طرح بلند ہو کر سیدھی جہاز کے اوپر آ رہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ

ضرور جہاز کا خاتمہ کر دے گی۔ یہ موج آئی اور اس طرح جہاز سے ٹکرائی کہ اس کے تمام جوڑ ہل گئے تقریباً ہر شخص جو کھڑا تھا گر پڑا۔ ہر شخص جو بیٹھا تھا لڑھک کر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ اور تمام جہاز میں اچھا خاصہ ایک سمندر سا بہنے لگا۔ مصطفیٰ بہت مضبوطی کے ساتھ جنگلے کو پکڑے ہوئے تھا اور اگرچہ اس نے جھٹکے تو بہت ہی زور کے کھائے۔ لیکن گرنے سے بچ گیا۔ اس ٹکر نے خود موج کے بھی ٹکڑے اڑا دئے اور ابھی اس کا پانی جہاز کی سطح پر بہہ ہی رہا تھا کہ مصطفیٰ کے کان میں ایک دردناک چیخ کی آواز آئی۔ اس کا دل بیتاب ہو گیا اور ایسے طوفان کی حالت میں اس سے جس قدر تیز ممکن ہو سکا دوڑا۔ جہاز کے عرشہ پر پاخانوں کے قریب ایک نوجوان لڑکی پڑی ہوئی تھی اور اس کے سر سے خون جاری تھا۔ مصطفیٰ نے جا کر اسے اٹھایا جیب سے رومال نکال کر اس کے سر کا زخم باندھا اور اسے تسلی دینے لگا۔ ابھی وہ کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ اسے خیال آیا کہ عورتیں سب کشتیوں میں بٹھائی جا چکی ہیں اور اب خود غرض مرد شاید ہی اسے کشتی میں جگہ دیں۔ اس نے چاہا کہ وہ لڑکی اٹھ کر کشتی تک چل سکے۔ مگر اس میں بالکل طاقت نہ تھی۔ مجبوراً اس نے اسے اپنی گود میں اٹھا لیا اور کشتی کے پاس جا کر کپتان سے کہا، کپتان نے بہ دقت تمام کشتی میں اس کے لئے جگہ نکالی اور اس کے بعد دونوں کشتیاں سطح سمندر پر اتار دی گئیں۔ عورتیں چیخ رہی تھیں مرد چلا رہے تھے، بچے رو رہے تھے اور کشتیاں کبھی تو موجوں کے ساتھ دس دس پندرہ پندرہ گز اونچی ہو جاتی تھیں اور کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر کے اندر گھس گئیں۔

کشتیاں اور تختے وغیرہ ابھی جہاز سے کچھ زیادہ دور نہ ہوئے تھے کہ یکبارگی

جہاز پانی کے اندر اس طرح بیٹھتا چلا گیا کہ گویا نیچے سے کوئی اسے کھینچ رہا ہے۔ جہاز ڈوب گیا اور اسی کے ساتھ بہت سے بدنصیب انسان بھی راہبر ادھر سے کھنچ کر اس عمیق غار میں پہنچ گئے جو اس کے ڈوبنے سے بنا تھا اور اس کے بعد ہر طرف سے پانی نے دوڑ کر سطح برابر کر دی اور حسین اور طاقتور "رام لیلا" کی بے نام و نشان قبر بن گئی۔ کچھ تو جہاز ڈوبنے کے ہچکولے سے اور کچھ موجوں کی برہمی سے ایک کشتی جس میں عورتیں تھیں الٹ گئی۔ صدہا چیخیں بہ یک وقت بلند ہو کر آسمان تک پہنچیں اور پھر اسی طرح بہ یک وقت تحت الثریٰ میں چلی گئیں اور مردوں کی یہ کوشش کہ خود جان دے کر عورتوں کو بچائیں کچھ کام نہ آئی۔

مصطفےٰ کو جان بچانے کی ایک پیٹی مل گئی تھی اور وہ تیرنا بھی اچھی طرح جانتا تھا مگر جب جہاز ڈوبنے کی وجہ سے پانی میں غار بنا تو وہ بھی ایک تنکے کی طرح کھنچا ہوا اسی غار میں چلا گیا اور بہت سے اس کشتی کے مسافر بھی کہ جو الٹ گئی تھی غوطے کھانے کے بعد جب وہ ابھرا تو اسے اپنے قریب ہی ایک عورت ڈوبتی نظر آئی اور اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے سر کے بال پکڑ لئے۔ اتنا سہارا ملنے سے وہ لاش ابھری اور اب اس نے دیکھا کہ وہ وہی لڑکی تھی جسے جہاز میں وہ اٹھا کر لایا تھا اور کشتی میں سوار کرایا تھا۔ لڑکی بالکل بے ہوش تھی اور موجوں کے اس طوفان میں اسے ڈوبنے سے بچانا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن مصطفےٰ نے اسے نہ چھوڑا اور برابر اسے اپنے ہاتھوں پر لئے رہا۔ طوفان میں آہستہ آہستہ کمی آتی چلی گئی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ ہوا تھا صرف اس جہاز کے ڈوبنے کے لئے ہوا تھا ایک گھنٹے کے اندر نہ آندھی تھی نہ طوفان اور نہ موجیں تھیں۔ نہ پانی کا شور۔ ہموار

اور سطح سمندر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر ایک نیلگوں چادر بچھی ہوئی ہے بہت فاصلے پر وہ کشتی نظر آ رہی تھی جو ڈوبنے سے بچ گئی تھی اور کہیں کہیں انسانی سر پانی سے ابھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے جو مصطفےٰ کی طرح اپنے زور بازو سے طوفان کی سختیوں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ جہاز کا بہت سا سامان جو ہلکا تھا تیر کر اوپر آ گیا تھا۔ مصطفےٰ نے دیکھا کہ اس سے تھوڑی دور پر ایک نہانے کا ٹب پانی پر تیر رہا ہے اس نے اسے امداد غیبی تصور کیا اور اس بیہوش حسینہ کو لئے ہوئے بہ دقت تمام تیر کر اس ٹب تک پہنچا۔ ٹب اچھا خاصہ بڑا تھا۔ مصطفےٰ نے بڑی محنت اور کوشش سے اس لڑکی کو اس میں بٹھا دیا اور ٹب کا کُنڈا پکڑ کر اپنے تھکے ہوئے بازوؤں کو ذرا آرام دینے کی کوشش کی بچے ہوئے آدمیوں کی کشتی اس سے بہت دور تھی۔ وہاں تک وہ خود تو کیا اس کی آواز بھی نہ پہنچ سکتی تھی اس لئے اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ ایسی حالت میں صبر کے ساتھ کسی دوسرے جہاز کی آمد کا انتظار کیا جائے "رام لیلا" کے کپتان نے اس کے ڈوبنے سے پہلے لاسلکی پیغامات بھیجدئے تھے اور کئی جہاز اس کی مدد کے لئے چل چکے تھے۔ سب سے پہلے جو جہاز موقع پر پہنچا وہ جاپانی جہاز "جن شان" تھا۔ مطلع صاف ہو چکا تھا اس نے اچھی طرح چاروں طرف دیکھ بھال کر ان سب آدمیوں کو ایک ایک کر کے اٹھا لیا جو موجوں کی دستبرد سے باقی رہ گئے تھے۔ بیہوش لڑکی کو اس عرصہ میں ہوش آ چکا تھا اور اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اسے موت کے منہ میں سے نکالنے والا اس کا وہی محسن ہے جس نے جہاز میں اسے اٹھایا تھا اور کشتی تک پہنچایا تھا جہاز میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ اور اس کی ماں دونوں طوفان کی نذر

ہو کر مچھلیوں کی غذا بن چکے تھے اور اس صدمہ میں وہ اپنی تکلیفوں کو بالکل بھول گئی مصطفےٰ طرح طرح کی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کیا کرتا اور صرف مصطفےٰ کو خوش کرنے کے لئے کبھی کبھی اوپری دل سے وہ ہنس دیا کرتی۔ اس کا نام عائشہ تھا۔ اس کے والد برما میں کسی اچھے عہدہ پر ملازم تھے اور اب رخصت کا زمانہ ختم کرکے واپس برما جا رہے تھے کہ یہ سانحہ جانکاہ پیش آیا اور غریب عائشہ بے یار و مددگار رہ گئی۔

عائشہ کی عمر بمشکل کوئی چودہ سال کی تھی اور ابھی تک کمسنی کا بھولا پن اس کے چہرہ پر کھیل رہا تھا۔ صورت شکل کے اعتبار سے عائشہ ان لڑکیوں میں تھی جنھیں ہزاروں لڑکیوں میں سے انتخاب کیا جائے اور شفیق ماں باپ نے اس کی تعلیم و تربیت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس رنج و غم کی حالت میں بھی اس کی صورت کچھ اس درجہ دل آویز تھی کہ ہر شخص ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف نظر کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔ مصطفےٰ کو عائشہ سے اور عائشہ کو مصطفےٰ سے محبت ہو جانا بالکل طبعی اور قدرتی امر تھا اور دونوں بہت جلد ایک دوسرے سے بیحد مانوس ہو گئے دونوں کم سن تھے اور جذبات عشق و محبت سے اگرچہ دونوں کے دماغ ناآشنا تھے مگر ایک برقی کشش دونوں کو غیر محسوس طریقہ پر ایک دوسرے کی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ کھنچے چلے جا رہے تھے۔ جہاز جزیرہ لنکا کے ایک بندرگاہ پر ٹھہرا اور وہیں اس نے ان سب مسافروں کو اتار دیا جنھیں ڈوبنے سے بچایا تھا۔

تیرھواں باب

کولمبو کے ایک چائے کے باغ میں مصطفیٰ چائے کی کونپل توڑ توڑ کر جمع کر رہا تھا کہ ایک چپراسی نے آکر اس سے کہا کہ تمہیں منیجر صاحب بلا رہے ہیں۔ اس نے جمع شدہ پتیاں مناسب مقام پر رکھیں اور دفتر کی طرف چل دیا۔ دفتر ایک نہایت عالی شان عمارت میں تھا اور منیجر کا کمرہ سب سے اوپر کی منزل میں تھا۔ بجلی کے ذریعہ سے اوپر چڑھنے والے تخت لگے ہوئے تھے اور اسی قسم کے ایک تخت پر کھڑے ہو کر مصطفیٰ بالائی منزل پر پہنچا اور منیجر صاحب کے کمرہ میں پہنچا دیا گیا۔ منیجر صاحب نے مصطفیٰ کو سر سے پاؤں تک ایک گہری نظر سے دیکھا اور اس کے بعد مسکرا کر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ یہ منیجر صاحب ایک پارسی تھے۔ ہرمزجی گھاس لیٹ والا نام تھا اور ایک بڑی کمپنی کے منیجر کی طرح خوب بھاری بھرکم اور موٹے تازے آدمی تھے تنخواہ بہت کافی تھی اور چونکہ پینتیس سال کی عمر ہو جانے کے باوجود ابھی تک شادی نہ کی تھی اس لئے اپنی ساری آمدنی اپنے ہی عیش و مسرت پر صرف کیا کرتے تھے باغ میں کام کرنے والی لڑکیوں میں سے حسین لڑکیوں کو اکثر اپنے کام کا حساب سمجھانے یا تنخواہ لینے کے لئے خلاف وقت منیجر صاحب کے پاس جانا پڑتا تھا اور بہت سی

ایسی لڑکیوں کو منیجر صاحب کے یہاں جھاڑو دیتے وقت پڑے ہوئے روپے مل جایا کرتے تھے جن سے وہ اپنے لئے طرح طرح کے زیورات خریدا کرتی تھیں۔ منیجر صاحب ایک اچھے محنتی اور جفاکش آدمی تھے اور مزدوروں سے پورا پورا کام لینا اور انھیں ہمیشہ اپنے قابو میں رکھنا انھیں خوب آتا تھا۔ جب مصطفیٰ بیٹھ گیا تو منیجر صاحب بولے

منیجر۔ ہم تمھارے کام سے بہت خوش ہیں۔ تم بہت اچھا اور بہت تیز کام کرتے ہو ہمارا خیال ہے کہ ہم بہت جلد تمھیں ترقی دے سکیں گے۔

مصطفیٰ۔ جناب کی مہربانی۔

منیجر۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

مصطفیٰ۔ جی غریب خانہ بلند شہر میں ہے۔

منیجر۔ تمھارے ہمراہ ایک لڑکی بھی تو ہے۔ شاید تمھاری بہن ہو گی۔ اسے بھی نوکر کیوں نہیں رکھا دیتے۔ تاکہ تمھاری آمدنی زیادہ ہو جائے اور تم خوب روپیہ کما کے جلدی سے اپنے وطن کو واپس جا سکو (ذرا متجسس نگاہوں سے مصطفیٰ کی طرف دیکھا)

مصطفیٰ۔ جی وہ میری بہن نہیں ہے، وہ بھی اسی جہاز میں سفر کر رہی تھی بیچاری کے ماں باپ ڈوب گئے اور اب اس کا والی وارث کوئی نہیں ہے۔ میں نے اسے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ اس لئے وہ مجھ سے بہت مانوس ہو گئی ہے اور میں نے بھی ایسی بیکسی کی حالت میں اسے چھوڑ دینا پسند نہیں کیا۔

منیجر۔ (ایک بہت ہی بزرگانہ انداز سے) اچھا! تو وہ تمھاری بہن نہیں ہے۔ میں ابھی تک یہی خیال کرتا تھا۔ مگر دیکھو تو۔ ایسی صورت میں تو یہ اور بھی بہتر ہے کہ تم اسے نوکر رکھا دو۔

مصطفٰے ۔ (ذرا جھجک جھجک کر) جناب کا خیال بالکل درست ہے ۔ لیکن ذرا دقت یہ ہے کہ ہماری طرف کی عورتیں گھر سے باہر نکلنے یا محنت مزدوری کرنے کو بہت ہی برا خیال کرتی ہیں ۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اسے اپنی مرضی کے خلاف نوکری کرنے پر مجبور کروں ۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہوگا کہ گویا میں نے بے کسی اور بے بسی کی حالت میں چھوڑ دیا

منیجر ۔ نہیں ۔ ایسا تو نہ ہوگا ۔ مگر خیر جب تم کہتے ہو کہ وہ اسے برا خیال کرے گی تو پھر کیا ضرورت ہے ۔ میرے خیال میں ایسی صورت میں یہ بہتر ہوگا کہ تم اس کی شادی کسی کے ساتھ کردو (پھر ایک متجسس نگاہ مصطفٰے پر ڈالی)

ایک عجیب مشورہ سن کر مصطفٰے کچھ چونک سا پڑا اور اب وہ حیران تھا کہ کیا جواب دے ۔ ذرا کچھ سوچ کر اس نے کہا ۔

مصطفٰے ۔ اول تو جناب ابھی اس لڑکی کی عمر ہی کیا ہے جو ایسا خیال کیا جائے ۔ دوسرے یہ بھی خیال ہے کہ اب جب کہ خدا نے اسے زندگی بخشی ہے اور اس بات کی بھی امید ہوتی ہے کہ خدا نے چاہا تو کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنے وطن جائیگی تو پھر میں خواہ مخواہ یہاں اس قسم کے جھگڑے کیوں مول لوں ۔

منیجر ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اچھا امیر آدمی یہاں اس سے شادی کرنا چاہتا ہو تب تو یہی مناسب ہوگا کہ تم اس کی شادی یہیں کردو

یہ گفتگو مصطفٰے کو کچھ اچھی نہیں معلوم ہو رہی تھی اور اس کے چہرہ سے ناخوشی کی علامتیں نمایاں تھیں اس نے کچھ سوچ کر کہا ۔

مصطفٰے ۔ کسی دولت مند سے شادی ہو جانے کے لازمی طور پر تو یہ معنی نہیں ہوتے کہ لڑکی کی قسمت چمک گئی ۔ مجھے ان باتوں کا کچھ تجربہ بھی نہیں ہے اس لئے میں یہی چاہتا

ہوں کہ خدا جلد مجھے اس قابل کر دے کہ اسے اس کے وطن پہنچا دوں۔
منیجر۔ تم اس لڑکی کے سچے ہمدرد ہو اور میرا خیال ہے کہ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ درحقیقت اس لڑکی کو فائدہ پہنچے گا تو تم ضرور راضی ہو جاؤ گے۔ میں تم پر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور یہاں کا کوئی اور شخص نہیں۔ بلکہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

مصطفےٰ ایسی گفتگو کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ وہ بالکل حیران سا ہو گیا اور اسے بمشکل یقین آیا کہ جو کچھ اس نے سنا تھا وہی منیجر کے الفاظ تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دے۔ اور آخر کار بہ دقت تمام اپنے حواس مجتمع کر کے اس نے کہا۔

مصطفےٰ۔ منیجر صاحب میں کیا عرض کروں میں خود بھی ابھی شادی بیاہ کے معاملات کو بالکل نہیں سمجھتا۔ میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ اگر وہ لڑکی خود اس تعلق کو پسند کرے اور (کسی قدر رک کر اور ناگواری کے ساتھ) آپ سے شادی کرنا چاہے تو مجھے بھی کیا عذر ہو سکتا ہے۔

منیجر۔ لیکن یہ تو تمھارے اختیار میں ہے کہ تم اسے سمجھا کر رضامند کر دو۔
مصطفےٰ۔ میں اپنی طرف سے اس کے متعلق کچھ بھی کرنا یا کہنا نہیں چاہتا۔ میں کہوں گا تو وہ سمجھے گی کہ میں اسے اپنے اوپر ایک بوجھ تصور کرتا ہوں اور چونکہ وہ ایک بہت ہی شریف لڑکی ہے اس لئے خواہ اس کا دل نہ چاہتا ہو تب بھی شادی پر رضامند ہو جائے گی۔
منیجر۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ ہمیں اس کا راضی کرنا ہی تو مقصود ہے۔ یہ تو تمھیں بھی

اطمینان ہے کہ یہ شادی اس کے لئے نہایت اچھی ہے۔

مصطفیٰ۔ یہ تو میں پہلے سے کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس شادی کو پسند کرے گی اور درحقیقت یہ شادی اس کے لئے اچھی ہی ہوگی۔

منیجر۔ اپنی بیٹی یا بہن کی شادی کرتے وقت یہی باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ لڑکا دولت مند ہے۔ صورت شکل اچھی ہے۔ پڑھا لکھا ہے اور چال چلن کا اچھا ہے تم ان سب باتوں کے متعلق اپنا اطمینان کر لو۔ اور پھر اسے رضامند کر دو۔

مصطفیٰ۔ (دل کڑا کر کے) منیجر صاحب میں صرف اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ اگر آپ بطور خود اسے راضی کر لیں اور اس کی خواہش ہو تو مجھے کوئی انکار نہ ہوگا۔ یہ مجھ سے کسی طرح بھی نہ ہو سکے گا کہ میں کوئی کوشش کروں۔

منیجر۔ لیکن اس میں تمہارا اپنا بھی تو فائدہ ہے۔

مصطفیٰ۔ (تعجب سے) میرا فائدہ؟

منیجر۔ ہاں یقیناً تمہارا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ شادی ہونے پر ایک ہزار روپے کی رقم شکرانہ کے طور پر تمھیں پیشکش کروں اور تمہارے عہدہ میں بھی معقول ترقی کر دوں۔

مصطفیٰ کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا اور تھوڑی دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا اپنے جذبات پر قابو حاصل کرنے کے بعد اس نے کہا۔

مصطفیٰ۔ منیجر صاحب معاف فرمائیے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔

منیجر۔ دیکھو اچھی طرح سوچ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں افسوس کرنا پڑے۔

مصطفےٰ - سچائی اور ایمانداری کی بدولت خواہ مجھے کتنی ہی تکلیف پہنچے مجھے کبھی افسوس نہ ہوگا۔

منیجر - اچھا جاؤ کام کرو۔

اس واقعہ کے پندرہ بیس روز کے بعد مصطفےٰ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک فرضی قصور پر برخاست کر دیا گیا ہے اور اس وقت اسے منیجر کی وہ دھمکی یاد آئی اور وہ سمجھ گیا کہ درحقیقت اس کا قصور کیا تھا۔

مصطفےٰ نے چائے کے باغ میں ملازمت کرکے چند روز میں جو کچھ پس انداز کیا تھا وہ بے کاری کے زمانے میں آہستہ آہستہ کرکے سب خرچ ہو گیا اور انتہائی کوششوں کے باوجود اسے کہیں کوئی کام نہ ملا۔ وہ جس کمپنی میں ملازمت کے لئے جاتا وہاں سب سے پہلا سوال یہی ہوتا کہ اس سے پہلے کہاں ملازم تھے اور وہاں سے علیحدگی کا سبب کیا تھا اور یہی ایک ایسا سوال تھا کہ جس کا کوئی تشفی بخش جواب اس کے پاس نہ تھا۔ جھوٹ بولنا وہ پسند نہ کرتا تھا اور سچے حالات بیان کرنے میں عائشہ کا نام درمیان میں آتا تھا اور اس کی رسوائی مقصود نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ دل پر جبر کرکے سچے واقعات بیان بھی کر دے تو ایک غریب اور حاجت مند انسان کی باتوں پر یقین کون کرنے لگا۔

عائشہ کو بھی اصلی حالات معلوم نہ تھے اور اس کا ننھا سا دل مصطفےٰ کو غمگین اور اداس دیکھ کر بے چین ہو جاتا تھا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ مصطفےٰ کی نوکری

چھٹ گئی ہے اور اس کی پریشانی کا باعث صرف یہی ہے کہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اور اخراجات بدستور موجود ہیں۔ بغیر مصطفیٰ کے کہے اس نے گھر کے خرچ میں انتہائی کفایت شعاری برتنی شروع کر دی۔ پھر بھی مصطفیٰ کی جمع کی ہوئی مختصر سی رقم کب تک چلتی۔

ایک روز مصطفیٰ حد سے زیادہ پریشان تھا یہاں تک کہ اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور خاموش ہو کر سونے کے لئے لیٹ گیا۔ عائشہ کے دل پر سخت چوٹ لگی اور اس نے غور کرنا شروع کیا۔

"مصطفیٰ کی اس پریشانی کا باعث زیادہ تر میں ہوں۔ اگر میرا خرچ ان کے ذمہ نہ ہوتا تو اتنے روپے میں وہ بڑی مدت تک گذر کر سکتے تھے اور اتنے دنوں میں ضرور انھیں کوئی نہ کوئی کام مل جاتا۔ مصطفیٰ نے میری جان بچائی اور میں ان کے لئے مصیبت کا سبب بن گئی مجھے ضرور کچھ کرنا چاہیے جس سے یہ پریشانی دور ہو۔ مصطفیٰ روز بروز اندر ہی اندر گھلتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اس قدر نیک ہیں کہ میرے سامنے کبھی اس کا ذکر بھی نہیں کرتے تاکہ مجھے رنج نہ ہو۔ میرے اللہ میں کیا کروں۔ کسی کے گھر کھانا پکانے کی نوکری مل جاتی تو بلا سے وہ کر لیتی"

عائشہ گئی گھنٹے تک انہی خیالات میں غرق رہی اور بالآخر تدبیریں سوچتے ہی سوچتے سو گئی۔

صبح اٹھ کر اس نے اپنے گلے کی سونے کی زنجیر اتار کر مصطفیٰ کو دی کہ اسے

فروخت کردو۔

مصطفیٰ۔ (حیرت سے) کیوں اسے کیوں بیچتی ہو۔ تمھارے گلے میں یہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

عائشہ۔ مجھ سے یہ نہیں پہنی جاتی۔ ہر وقت نگوڑی چبھتی رہتی ہے میری گردن ساری زخمی ہو گئی۔ تم اسے بیچ لا دو تو اور کوئی چیز منگاؤں گی۔

مصطفیٰ۔ عائشہ، تم بہت ہی اچھی لڑکی ہو۔ تمھارا دل بڑا نیک ہے۔ تم اس وجہ سے اسے بیچ رہی ہو کہ تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس اب روپیہ بالکل نہیں رہا ہے مگر میں تو اس زنجیر کو نہیں بیچوں گا۔ آخر زنجیر بیچ کر ہی کے دن گزارہ ہو جائے گا اگر میری قسمت میں فاقہ کشی ہی لکھی ہے اور اسی طرح مرنا ہے تو جیسے دو چار دن بعد مرے ویسے دو چار دن پہلے ہی کیوں نہ مر جائیں۔ دو چار دن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے تمھارے گلے کی زنجیر بیچنا میں پسند نہیں کر سکتا۔ اس کے بغیر تمھاری گردن کچھ خالی خالی سی معلوم ہو رہی ہے تم اسے پہن ہی لو۔ خدا نے چاہا تو آج ضرور کچھ نہ کچھ کام مل جائے گا۔

عائشہ۔ اگر تمھیں یہ گوارا نہیں ہے کہ میرے گلے کی زنجیر بک جائے تو میں یہ کیسے گوارا کر لوں کہ میرے کھلانے پلانے پر تمھارا سارا روپیہ برباد ہو جائے اور تم فاقے کرو۔

مصطفیٰ نے عجب محبت اور تعظیم بھری نگاہوں سے عائشہ کو دیکھا اور بولا۔

مصطفیٰ۔ عائشہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ سب عورتیں ایسی ہی نیک اور اچھی ہوتی

ہیں۔ میں خالہ جان کو دنیا کی سب سے اچھی عورت خیال کیا کرتا تھا مگر میں دیکھتا ہوں کہ نیکی اور محبت میں تم ان سے کسی طرح بھی کم نہیں ہو۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے خرچ کا مجھ پر بوجھ پڑتا ہے۔ تم کس قدر بھولی ہو۔ اگر تم نہ ہوتیں تو مجھے بازار کا کھانا کھانا پڑتا اور اس پر اس سے زیادہ رقم خرچ ہوتی جتنی تمھاری کفایت شعاری کی وجہ سے ہم دونوں کے لیے خرچ ہوتی ہے اور پھر ایسا عمدہ کھانا بھی نہ ملتا۔ اس خیال کو تم اپنے دل سے بالکل نکال دو کہ تم پر میرا کوئی احسان ہے۔ اصل میں تو تم مجھ پر احسان کر رہی ہو کہ دونوں وقت میرے لیے چولھا جھونکتی ہو۔

عائشہ۔ اوئی دو روٹیاں پکا لینا بھی نگوڑا کوئی کام ہے ایسی باتیں کرو گے تو پھر میں خفا ہو جاؤں گی۔

مصطفےٰ۔ اچھا میں ایسی باتیں نہیں کرتا مگر تم بھی زنجیر بیچنے کا خیال چھوڑ دو۔

عائشہ۔ دیکھو تو میں نے یہ سوچا تھا کہ مجھے بڑی اچھی گڑیاں بنانی آتی ہیں اس دن میں بازار گئی تھی تو میں نے دیکھا تھا کہ کھلونوں والے کی دوکان پر بھیڑ لگی ہوئی تھی اور جیسی گڑیاں وہ بیچ رہا تھا ویسی میں ہزاروں بنا سکتی ہوں اس زنجیر کو بیچ کر میں کپڑا اور سوئی تاگہ تم سے منگواتی اور دن بھر خالی تو بیٹھی ہی رہتی ہوں گڑیاں بنا بنا کر بکوا دیا کرتی اس طرح کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت سہارا تو ہو جاتا

مصطفےٰ۔ ہاں بے کار بیٹھے رہنے سے تو یہ ضرور اچھا ہے۔ مگر اس کے لیے تمھیں زنجیر بیچنے کی ضرورت نہیں ہے تم سب چیزیں بتا دو جو تمھیں درکار ہیں میں لیتا آؤں گا۔

عائشہ ۔ تم کیوں لیتے آؤ گے ؟ میں منگاتی ہوں مجھے لادو اور میری زنجیر بیچ کر لادو۔

مصطفٰے ۔ زنجیر تو میں نہیں بیچوں گا۔

عائشہ ۔ کیوں ؟

مصطفٰے ۔ اس لئے کہ یہ مجھے تمھارے گلے میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

یہ لفظ اگرچہ مصطفٰے نے بہت ہی سادگی سے بلاکسی خاص خیال کے کہے تھے مگر انھیں سن کر خدا جانے کیوں عائشہ کچھ شرما سی گئی اور اس بات کو ٹال دیا

ابھی مصطفٰے کام کی تلاش میں گھر سے نہ نکلا تھا کہ کسی شخص نے اسے باہر سے آواز دی اور وہ باہر آیا۔

مصطفٰے ۔ (نوواردسے) او ہو مسٹر مدالیر، آج آپ کدھر آگئے ؟

مدالیر ۔ بہت دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے کہا کہ آج آپ سے مل کر ذرا خیر خبر ہی معلوم کر لوں ۔ کہئے کیا حال چال ہیں ؟

مصطفٰے ۔ خدا کا شکر ہے بالکل اچھا ہوں ۔ آپ سنائیے ۔

مدالیر ۔ حال تو سب ٹھیک ہے مگر جب سے آپ چلے آئے ہمارا بھی وہاں دل نہیں لگتا ۔ آخر آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی !

مصطفٰے ۔ میں نے تو نہیں چھوڑی تھی ۔ منیجر صاحب نے مجھے علیحدہ کر دیا ۔

مدالیر ۔ اصل بات کیا تھی ؟ لوگ تو خدا جانے کیا کیا کہتے پھرتے ہیں

مصطفٰے ۔ بات کچھ بھی نہیں تھی ۔ تمھیں معلوم ہی ہے کہ میرے سا... ایک لڑکی ہے جسے میں حقیقی بہن سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں ۔ منیجر صاحب چاہتے تھے کہ میں

اس لڑکی کو راضی کر کے اس کی شادی ان کے ساتھ کر دوں۔ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر وہ لڑکی خود ہی یہ چاہے گی کہ اس کی شادی ان کے ساتھ ہو تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے لیکن میں یہ کبھی نہیں کر سکتا کہ اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے اس کو مجبور کر کے راضی کروں۔ اسی پر شاید وہ خفا ہو گئے اور مجھے الگ کر دیا۔

مدالیر۔ پھر کوئی اور کام وام مل گیا یا بے کار ہی ہو؟

مصطفیٰ۔ ابھی تک تو کچھ نہیں ملا ہے۔

مدالیر۔ بھئی مصطفیٰ دنیا میں اتنی زیادہ سچائی اور ایمانداری کا نام "بے وقوفی" ہے اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ تم اس لڑکی کو راضی کر دو اور پھر یہ بھی تم سمجھ سکتے ہو کہ منیجر صاحب کے گھر میں وہ بڑے آرام سے رہے گی۔ اس میں تمہارا بھی بھلا ہے اور اس لڑکی کا بھی۔ اگر تم تیار ہو تو میں کہہ سن کے منیجر صاحب کو راضی کر لوں۔

مصطفیٰ۔ (کسی قدر کرخت لہجہ میں) جب کہ تم سچائی اور ایمانداری کو بیوقوفی خیال کرتے ہو تو پھر میں تم سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ اتنا ضرور ہے کہ ابھی دنیا ایسے بیوقوفوں سے خالی نہیں ہوئی ہے جو حق اور انصاف کی خاطر اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اگر کبھی دنیا ان بیوقوفوں سے خالی ہو گئی تو اسی روز دنیا کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔

مدالیر۔ توبہ توبہ! تم بھی کیسی بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو بھائی ایمانداری اور انصاف سے پیٹ نہیں بھرتا۔ سب سے پہلے پیٹ بھرنے کی فکر کرو اس کے بعد

اگر ضرورت ہو تو ایماندار بھی بن سکتے ہو۔
مصطفیٰ۔ (برافروختگی کے ساتھ) آپ کی نصیحت کا شکریہ!
مدالیر۔ تو تمہاری سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔
مصطفیٰ۔ نہ آئی اور نہ کبھی آئے۔
مدالیر۔ میرے دل کو بڑا رنج ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ منیجر تم کو بہت ستائے گا اور تعجب نہیں کہ وہ زبردستی کسی ترکیب سے اس لڑکی کو بھی تم سے چھین لے۔
مصطفیٰ۔ (غصہ سے) منیجر خدا نہیں ہے اور میں تکلیفیں اٹھانے کے لئے بالکل تیار ہوں۔
مدالیر۔ (دلی رنج کے ساتھ) مصطفیٰ تم ناحق ضد کر رہے ہو۔ وہ منیجر بڑا ظالم آدمی ہے اور تمہیں بعد کو پچھتانا پڑے گا۔
مصطفیٰ۔ اس دنیا میں ایک ہستی ایسی ہے جس نے مجھے گدھے سے انسان بنایا ہے اور یہ اسی کی نصیحت ہے کہ چاہے جان جاتی رہے لیکن حق اور انصاف کا ساتھ نہ چھوٹے۔
مدالیر۔ تم ابھی بچے ہو اور حق اور انصاف کے معنی ہی نہیں سمجھتے۔ بھائی۔ جس چیز کو ہم حق سمجھیں وہی حق ہے۔ اس لڑکی پر تمہارا حق ہے کہ تم اس کی شادی اپنی مرضی سے کر دو اور تم بھی سچائی سے یہ یقین رکھتے ہو کہ منیجر کے ساتھ شادی کرنے میں اس لڑکی کا فائدہ ہے پھر خواہ مخواہ انکار کر کے مصیبت کیوں مول لیتے ہو تم یہاں ایک غریب پردیسی ہو کوئی تمہیں جانتا تک نہیں اور منیجر کا سب پر بہت بڑا اثر ہے وہ تمہیں ہر طرح سے نقصان پہنچا سکتا ہے اور اگر تم راضی ہو جاؤ تو

تمھاری اپنی حالت بھی درست ہو جائے گی۔
مصطفےٰ!۔ مسٹر مدالیر! میں اس لڑکی کو بیچنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہیں ہوں جسے اتفاقات نے میری پناہ میں دے دیا ہے۔

ان واقعات کو ایک عرصہ گزر گیا اور مصطفےٰ کو اس زمانے میں عمر بھائی کی کمپنی میں ملازمت بھی مل گئی۔ عائشہ نے اپنے وقت سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا گڑیاں اور اسی قسم کی اور بہت سی چیزیں بنا بنا کر فروخت کرنا شروع کر دیں دونوں کی مشترکہ آمدنی کی بدولت ان کی مالی حالت بہت کچھ بہتر ہوگئی اور عائشہ کی کفایت شعاری نے اس بات کا بھی موقعہ دے دیا کہ وہ ہر مہینے ایک معقول رقم پس انداز کرتے رہیں۔ کچھ دنوں تک مصطفےٰ کو منیجر کی طرف سے کھٹکا رہا کہ شاید وہ کوئی شرارت کرے مگر آہستہ آہستہ یہ خیال اس کے دل سے دور ہوتا چلا گیا اور اسے یقین آگیا کہ منیجر کے متعلق اس کی بدگمانیاں فضول تھیں۔ اس عرصہ میں مدالیر بھی اس سے اکثر ملتا رہا اور اس کمپنی کا ایک اور ملازم عبدالقادر بھی اور دونوں میں سے کسی نے بھی کبھی کوئی ایسی بات منیجر کے متعلق بیان نہ کی کہ مصطفےٰ کو کچھ شک ہوتا۔

ایک روز حسب معمول جب وہ رات کو اپنا کام کر کے واپس آیا اور کھانا کھا کر ابھی فارغ ہوا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ پر آواز دی باہر آکر دیکھا تو مدالیر اور عبدالقادر تھے۔ غیر وقت آنے کا سبب دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ بائسکوپ میں اس روز ایک نہایت عمدہ تماشہ دکھایا جانے والا تھا وہ دونوں وہیں جا رہے تھے اور انھوں نے مصطفےٰ سے بھی کہا کہ وہ چلے۔

مصطفٰے! مجھے تو ان کھیل تماشوں سے کچھ بہت زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔
مدالیر۔ اب اس قدر کنجوس بھی نہ بنو۔ ایسے تماشے روز روز نہیں ہوتے۔
مصطفٰے۔ مجھے یہ بھی خیال ہے کہ رات کے وقت عائشہ بھی اکیلی گھبرائیں گی۔
عبدالقادر۔ دو گھنٹے میں تو ختم ہی ہو جائے گا۔ ابھی آٹھ بجے ہیں، دس بجے تک تم گھر آجاؤ گے۔

مصطفٰے کا دل تو نہ چاہتا تھا مگر ان دونوں نے کچھ اس قدر اصرار کیا کہ وہ راضی ہو ہی گیا اور عائشہ سے اجازت لے کر ان کے ہمراہ بائسکوپ دیکھنے چلا گیا۔

سینما کی فلم درحقیقت بہت ہی اچھی اور دلچسپ تھی اس میں ایک نوجوان کے حیرت انگیز کارنامے دکھائے گئے تھے۔ جب مصطفٰے واپس ہوا تو اس کے دل میں جوش اور ولولے بھرے ہوئے تھے۔ وہ عالم خیال کی سیر میں مصروف تھا اور اس کے تخیل نے جو مستقبل اس کے سامنے پیش کیا تھا اس میں اس کی اور عائشہ کی حیثیت بادشاہ اور ملکہ کی سی تھی اور آمنہ کی حیثیت والدہ سلطانہ کی۔ اپنے انہی خیالات میں مستغرق جب وہ مدالیر اور عبدالقادر کے ساتھ ساتھ اپنے گھر پہنچا تو خلاف توقع گھر کا دروازہ کھلا پا کر اس کا دل دھکسے ہو کر رہ گیا اور طرح طرح کے صدہا توہمات اس کے دماغ میں آنے لگے۔ کسی قدر گھبراہٹ اور پریشانی کے ساتھ اس نے عبدالقادر سے کہا کہ "بھئی یہ کیا بات ہے دروازہ کھلا ہوا کیوں ہے" اور جھپٹ کر گھر میں داخل ہو گیا اندر پہنچ کر اسے عائشہ کہیں نظر نہ آئی اور اس کا بستر کچھ ایسا ملا اور گنجلا نظر آیا کہ گویا چارپائی

پر کشتی لڑائی گئی ہے۔ اس نے گھبرا گھبرا کر عائشہ کو آوازیں دیں اور دوڑ دوڑ کر گھر کا کونہ کونہ ڈھونڈھ ڈالا اور جب وہ کہیں نہ ملی تو دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی اس کا سر چکرانے لگا اور قریب تھا کہ وہ چکر کھا کر گر پڑے کہ اتنے میں باہر سے مدالیر نے آواز دے کر پوچھا کیا معاملہ ہے۔

انتہائی پریشانی اور بدحواسی کی آواز سے جو بمشکل اس کے گلے سے نکلی تھی اس نے مدالیر اور عبدالقادر کو گھر میں بلا لیا اور سب حالات بیان کئے۔

عبدالقادر۔ یہ ضرور اسی منیجر کا کام ہے۔ اس نے دو چار بدمعاشوں کو کچھ روپیہ دے دلا کر اس طرح عائشہ بائی کو پکڑوا لیا ہے۔

مدالیر۔ میرا بھی یہی خیال ہے اور ہمیں بہت جلد کچھ کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں اس نے عائشہ کو اپنے گھر میں تو نہ رکھا ہوگا۔

عبدالقادر۔ یہاں سے کوئی تین میل پر اس نے ایک بہت بڑی کوٹھی بنوا رکھی ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ عائشہ کو ضرور اسی کوٹھی میں رکھا ہوگا۔

مصطفےٰ۔ اچھا تو آپ لوگ جائیں۔ میں تو اب جب تک عائشہ کو تلاش نہ کر لوں گا آرام نہیں کر سکتا۔

مدالیر۔ ہم کہاں جائیں گے۔ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ بس اب دیر نہ کرو اور سیدھے اس کوٹھی پر چلے چلو۔

تینوں کے تینوں گھر سے نکلے اور کرایہ کی ایک گاڑی لے کر منیجر کی کوٹھی کا راستہ لیا۔

مدالیر اور عبدالقادر کے شکوک غلط نہ تھے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ دن میں

عبدالقادر اور ڈالسر نے آپس میں مزدوروں کے سامنے اپنا یہ ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ رات کو مصطفٰے کو ہمراہ لے کر سنہا جائیں گے۔ ان ہی مزدوروں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھیں بہت کچھ لالچ دے کر منیجر نے اس کام پر مقرر کیا تھا کہ جب اور جس طرح ممکن ہو عائشہ کو اڑا لائیں۔ انھوں نے اس اتفاقی اطلاع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے سب انتظامات مکمل کر کے مصطفٰے کے گھر سے عائشہ کو اٹھا لے گئے۔ عبدالقادر کا یہ خیال بھی بالکل صحیح تھا کہ اسے منیجر کے مکان کے بجائے اسی کوٹھی پر لے جایا گیا جو منیجر نے اپنے خانۂ عیش کے طور پر بنوا رکھی تھی۔

ناتجربہ کار اور کم سن عائشہ کے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ اسی حالت میں ایک نہایت نفیس مسہری پر لٹا دی گئی تھی۔ وہ اسی مجبوری اور بے کسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی کہ یکایک کمرہ کا دروازہ کھلا اور منیجر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا عائشہ اسے اس سے پیشتر بھی دیکھ چکی تھی اور اس نے فوراً پہچان لیا۔ منیجر نے اپنے چہرے پر انتہائی خوش خلقی کے آثار پیدا کر کے کہا۔

منیجر۔ آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔ مجھے بڑا افسوس ہے اور میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں لیکن یہ سب مصطفٰے کی ضد کی وجہ سے ہوا۔ وہ کسی طرح اس بات پر راضی نہ ہوا کہ آپ کی شادی میرے ساتھ کرے اور چونکہ مجھے آپ سے بیحد محبت تھی اس لئے مجبوراً مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔

عائشہ بھولی تھی۔ ناتجربہ کار تھی۔ کمسن تھی۔ لیکن بزدل اور ڈرپوک ہرگز نہ تھی اور مصطفٰے کے ساتھ اتنے دنوں تک تقریباً مردانہ زندگی بسر کرنے اور طرح طرح کی مصیبتیں اٹھانے کی بدولت وہ بہت دلیر اور باہمت ہو گئی تھی اس نے منیجر

پر ایک بہت ہی حقارت آمیز نظر ڈالی اور کہا۔
عائشہ۔ آپ نے جو کچھ کیا یہ مردوں کا اور شریفوں کا کام نہیں ہے۔ ایک بے پناہ اور کمزور لڑکی کو چند بدمعاشوں کے ذریعہ سے اٹھوا منگوانا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دینا ہرگز ہرگز ایسے کام نہیں ہیں جو میرے دل میں آپ کی محبت پیدا کر سکیں۔ ایک مرد کو سب سے پہلے اپنی مردانگی اور شجاعت کا ثبوت دینا چاہیے وہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کمزور عورت پر ظلم نہ کرے۔ ظالم سے دنیا میں اگرچہ ڈرتے سب ہیں لیکن اس سے محبت کسی کو نہیں ہوتی۔ آپ نے انتہائی ظلم اور انتہائی بزدلی کا ثبوت دیا ہے اور میں نہیں سمجھتی کہ اب آپ کس منہ سے مجھ سے معافی کے طالب ہیں جب کہ ابھی تک بھی آپ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں کھول دیں۔
منیجر عائشہ کی اس گفتگو سے کٹ گیا۔ اسے سخت غیرت آئی اور ایک مرتبہ تو اس نے کھولنے کے ارادہ سے رسی کو پکڑ بھی لیا تھا۔ مگر پھر وہی بزدلی اور خودغرضی غالب آئی اور اس نے کہا۔
منیجر۔ میں آپ کی طعن آمیز باتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو شخص خود آپ کی محبت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو اس کی کیا مجال ہے کہ آپ کو قید کر سکے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ آپ یہ اطمینان دلا دیں کہ آزاد ہونے کے بعد آپ میری درخواست قبول کر لیں گی
عائشہ دنیا میں کوئی عورت کسی ایسے شخص کو شادی کے لئے پسند نہیں کر سکتی جو بزدل ہو اور جس میں معمولی مردانہ اخلاق بھی موجود نہ ہوں۔ میں خوشی سے اپنی جان دے سکتی ہوں لیکن ایسے کمینے اور ناپاک شخص کو اپنی زندگی کا شریک نہیں

بتا سکتی۔ یہ میرا آخری اور قطعی جواب ہے اور اس کے بعد مجھ سے اس معاملہ میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عائشہ کی اس گفتگو نے منیجر کو یقین دلا دیا کہ اس کا سابقہ کسی کمزور دل یا کمزور اخلاق کی عورت سے نہیں ہے اور اس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ خوشامد اور عاجزی کے سوا اور کسی طرح کام نہیں نکل سکتا۔ اس نے حد سے زیادہ عاجزانہ لہجہ میں عائشہ سے رحم کی درخواست کی اور اس کے ہاتھ کھول دینے پر آمادہ ہوگیا ہاتھ کھول دئے گئے لیکن عائشہ نے جو چپ سادھی تھی اس میں کوئی فرق نہ پڑا اس نے منیجر کی طرف سے منھ پھیر لیا اور اسی طرح خاموش پڑی رہی۔ تھوڑی دیر تک اور خوشامد کرنے کے بعد منیجر نے بالآخر اس کے پاؤں کھول دینے کا بھی ارادہ کر ہی لیا اور وہ اس کے پیروں کی طرف کو بڑھا ہی تھا کہ یکایک کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر چھن سے گرا اور ساتھ ہی یہ آواز آئی۔

آواز۔ سب سپاہیوں کو اسی طرف بلالو دونوں اسی کمرے میں ہیں۔ جلدی کرو۔

اس آواز نے منیجر کے ہوش وحواس سب غائب کردئے اور اس کے مجرم ضمیر نے اسے یہی صلاح دی کہ وہاں سے بے تحاشا بھاگے اس نے عائشہ کو اسی طرح چھوڑا اور دروازہ کھول کر بھاگتا ہوا اس جگہ پہنچا کہ جہاں اس کے آدمی جمع تھے اور نہایت گھبرائے ہوئے لہجہ میں ان سے کہا کہ "جلدی بھاگو پولیس آگئی۔

منیجر اور اس کے آدمی سب جس کو جدھر سے موقع ملا فرار ہوگئے اور اب اس کوٹھی میں عائشہ کے سوا کوئی نہ رہا۔

کھڑکی کے شیشہ نے اجنبی کی آواز نے اور منیجر کے بری طرح فرار نے اسے بھی

اس طرف متوجہ کر دیا تھا۔ اس نے آواز پہچان لی تھی اور اسے یقین تھا کہ یہ ضرور مصطفےٰ کی آواز ہے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور جیسے ہی کھڑکی ٹوٹی اس نے چلا کر پکارا اور اس کے جواب میں مصطفےٰ یہ کہتا ہوا کھڑکی سے اندر داخل ہوا۔

مصطفےٰ:۔ عائشہ، خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں وہ منیجر کہاں گیا۔ کیا بھاگ گیا؟

عائشہ ۔ ہاں وہ تو تمہاری آواز سنتے ہی یہاں سے بھاگ گیا۔

اتنے میں مدالیر اور عبدالقادر بھی اندر آ گئے۔ جلدی جلدی عائشہ کے پاؤں کی رسی کھولی گئی اور اسی کھڑکی کے راستہ سے سب لوگ نکل کر گاڑی میں بیٹھ گھر کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں عائشہ نے پوچھا تو مصطفےٰ نے اسے بتایا کہ پولیس یا سپاہی کوئی بھی ہمراہ نہ تھا اور یہ صرف مصطفےٰ کی ایک چال تھی تاکہ منیجر خوف زدہ ہو کر بھاگ جائے اور وہ اور اس کے آدمی مقابلہ نہ کریں۔

پندرھواں باب

عمر بھائی جن کے یہاں مصطفےٰ اب ملازم تھا۔ بمبئی کی میمن جماعت سے تعلق رکھتے تھے ۔ بڑے دیانت دار اور متقی آدمی تھے ۔ ان کی عمر اب کوئی باسٹھ سال کی تھی اور انھیں کولمبو میں آباد ہوئے کچھ اوپر چالیس برس ہو چکے تھے انھوں نے بہت چھوٹی اور مختصر سی دوکان سے تجارت شروع کی تھی مگر آہستہ آہستہ اور با استقلال ترقی کرتے کرتے وہ اب کولمبو کے متمول ترین تاجروں میں شمار کئے جاتے تھے چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر شخص ان کی فیاضی نیک دلی اور ایمان داری کا مداح تھا اور تمام کولمبو میں ان کا نام نہایت عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ عمر بھائی کو فی الحقیقت کسی محرر یا محاسب کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مصطفےٰ کے بشرہ سے انھوں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کوئی شریف زادہ اور نیک نوجوان ہے اور صرف اس لئے کہ اس طرح اس کی امداد کر سکیں انھوں نے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا تھا۔ مصطفےٰ نے چند ہی روز میں سیٹھ جی کو اپنی خوبیوں کا گرویدہ بنا لیا اور اسے خود بھی سیٹھ جی پر اتنا اعتماد اور اعتبار ہو گیا کہ اس نے انھیں شروع سے آخر تک اپنی تمام داستان سنا دی۔ سب حالات معلوم ہو جانے کے بعد سیٹھ جی نے عائشہ کی حفاظت کے خیال سے مصطفےٰ

سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ پسند کرے تو وہ اسے اپنے گھر میں جگہ دے سکتے ہیں۔ مگر چونکہ مصطفےٰ کو فی الحقیقت منیجر کی طرف سے کسی بے عنوانی کا اندیشہ نہ رہا تھا اس لئے اس نے نقل مکان کو ضروری نہ خیال کیا اور جس طرح رہ رہا تھا اسی طرح رہے گیا

جس رات میں عائشہ پر یہ حادثہ گزرا۔ اس کے دوسرے روز صبح کو سیٹھ عمر بھائی اپنے اخبارات پڑھ رہے تھے۔ جب انھوں نے انگریزی کا اخبار "سیلون ٹائمز" کھولا تو اس میں ان کی نظر ایک تصویر پر پڑی اور وہ بڑے غور اور شوق سے اسے دیکھنے لگے۔ تصویر ہو بہو مصطفےٰ کی سی تھی اور کسی شخص کی طرف سے ایک سو روپے کے انعام کا اعلان اس شخص کے لئے چھپا تھا جو صاحب تصویر کا پتہ نشان بتا دے۔ سیٹھ جی نے عینک اتار کر اچھی طرح اس کے شیشے صاف کئے اور پھر بہت غور سے تصویر کو دیکھا۔ مزید اطمینان کے لئے انھوں نے اپنے منیجر کو بلایا اور وہ تصویر دکھا کر پوچھا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ منیجر صاحب نے بھی دیکھتے ہی فوراً کہہ دیا کہ یقیناً وہ تصویر مصطفےٰ کی ہے اور پھر پوچھنے لگے کہ کیا اس کے نام کا کوئی وارنٹ ہے۔

سیٹھ جی۔ نہیں وارنٹ تو نہیں ہے مگر ہاں جیسا کہ میرا خیال تھا یہ لڑکا ایک شریف کا بچہ ہے اور اس کے رشتہ داروں نے اس کا پتہ لگانے کے لئے سو روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے۔

منیجر۔ تو لائیے پھر لکھ بھیجیں۔

سیٹھ جی۔ ایسی جلدی کیا ہے۔ اب تو معلوم ہو ہی گیا۔ اطمینان سے ان کو لکھ دیا جائے گا آج مصطفےٰ نے اس قدر دیر کیوں لگائی۔ روز تو وہ اس سے بہت پہلے آجاتا تھا۔

منیجر۔ ممکن ہے کہ اس نے بھی اخبار دیکھ لیا ہو اور اسی خیال سے کہ آپ اسے پہچان لیں گے۔ روپوش ہو گیا ہو۔

سیٹھ جی ۔ اسے روپوش ہونے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کوئی مجرم نہیں ہے وہ تو خود ہی اپنے عزیزوں میں جانے کے لئے بیتاب ہے۔

منیجر۔ تو کچھ اور سبب ہو گیا ہو گا۔

اس گفتگو کے بعد منیجر اپنی میز پر جا بیٹھا اور سیٹھ جی کچھ سوچنے لگے ۔ ابھی انھیں اس حال میں زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یکایک دو شخص کسی قدر گھبرائے ہوئے دوکان پر آئے اور سیٹھ جی سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی کسی قدر پریشانی کے ساتھ سیٹھ جی نے انھیں اپنے مخصوص کمرے میں بلایا اور حالات دریافت کئے۔

ایک شخص ۔ معاف کیجئے گا کیا سیٹھ عمر بھائی صاحب آپ ہی ہیں۔

سیٹھ جی ۔ ہاں یہ میرا ہی نام ہے ۔ تم اپنا مطلب کہو۔

وہی شخص ۔ آپ کے یہاں ایک صاحب محمد مصطفےٰ نامی نوکر ہیں ۔ ان کو رات ایک عجیب حادثہ پیش آیا ۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ ان کے ساتھ ایک لڑکی عائشہ بھی ہے ۔ اس لڑکی کو وہ منیجر کسی نہ کسی طرح مصطفےٰ سے حاصل کرنا چاہتا ہے جہاں وہ پہلے ملازم تھے ۔ اسی کے پیچھے ان کی وہ ملازمت بھی گئی ۔ رات ہم لوگوں کے کہنے سننے سے مصطفےٰ سینما دیکھنے چلے گئے تھے ۔ منیجر کو خبر لگ گئی اور اس نے کچھ بدمعاش بھیج کر عائشہ کو زبردستی ان کے گھر سے اٹھوا لیا ۔ ہم لوگ واپس آئے تو عائشہ نہ تھی ہمیں فوراً منیجر پر شک ہوا اور ہم تینوں اس کے مکان پر

اس وقت پہنچے کہ اس نے ایک کمرے میں عائشہ کو ہاتھ باندھ کر ڈال رکھا تھا اور اسے شادی کے لئے رضامند کر رہا تھا۔ مصطفےٰ نے کمرے کی کھڑکی توڑ ڈالی اور ہمارے سب کے پہنچ جانے کی وجہ سے منیجر بھاگ گیا اور ہم عائشہ کو وہاں سے لے آئے مگر یہ سب کارروائی پولیس کو اطلاع دئے بغیر ہوئی تھی۔ آج صبح کو معلوم نہیں منیجر نے پولیس میں کیا رپورٹ کر دی کہ پولیس والے آ کر گھر سے مصطفےٰ کو گرفتار کرکے لے گئے ہیں۔ ہم دونوں کو محض اتفاقیہ طور پر خبر ہو گئی تو آپ کے پاس آئے ہیں کہ کسی طرح اس بیچارے غریب آدمی کی مدد کیجئے۔ میں آپ سے بالکل سچائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ مصطفےٰ کا اس میں ذرا سا بھی قصور نہیں ہے اور وہ بدمعاش منیجر صرف اس لڑکی کی وجہ سے اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔

سیٹھ جی۔ (کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد) آپ دونوں کون ہیں اور مصطفےٰ سے آپ کا کیا تعلق ہے۔

وہی شخص۔ میرا نام مدالیر ہے اور ان کا نام عبدالقادر صاحب ہے۔ ہم دونوں اسی چائے کے باغ میں نوکر ہیں جہاں پہلے مصطفےٰ صاحب تھے اور وہیں سے ہم سے اور ان سے ملاقات ہوئی۔

سیٹھ جی۔ یہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ پولیس نے کس الزام میں مصطفےٰ کو گرفتار کیا ہے۔

مدالیر۔ جی یہ تو کچھ معلوم نہیں۔

سیٹھ جی۔ اچھا اب آپ لوگ اپنے کام پر جائیں۔ میں سب سے پہلے تو عائشہ کو اپنے گھر لاتا ہوں۔ اس کے بعد مصطفےٰ کے متعلق کچھ کوشش کروں گا۔

عبدالقادر۔ عائشہ کو لانے میں جلدی کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہ اس کے ہتے چڑھ جائے۔

مدالیر اور عبدالقادر دونوں چلے گئے اور سیٹھ جی موٹر میں بیٹھ کر سیدھے مصطفٰے کے گھر پہنچے۔ عائشہ بہت خوف زدہ تھی اور کسی طرح دروازہ کھولنا نہ چاہتی تھی مگر جب اس نے جھانک کر سیٹھ جی کی صورت دیکھ لی اور انھوں نے بھی یہ اطمینان دلادیا کہ وہ مصطفٰے کی مدد کے لئے آئے ہیں تو اس نے دروازہ کھول دیا اور سب حالات تفصیل کے ساتھ سیٹھ جی کو سنائے۔ اس نے کہا کہ جو پولیس گرفتار کرنے آئی تھی وہ یہ کہتی تھی کہ تم نے منیجر صاحب کے گھر ڈاکہ ڈالا ہے۔

سیٹھ جی۔ اچھا بیٹی عائشہ اب ذرا ہمت سے کام لو۔ رنج و غم کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تم کچھ دنوں کے لئے چل کر میرے گھر رہو۔ وہاں عورتوں اور بچوں میں تمہارا دل بھی بہل جائے گا اور وہاں اس منیجر کا ہاتھ بھی کسی طرح تم تک نہیں پہنچ سکتا تمہیں گھر پہنچا کر میں کوتوالی سے معلوم کروں گا کہ مصطفٰے پر کیا الزام ہے اور ممکن ہوا تو اسے ضمانت پر رہا کرالاؤں گا۔

عائشہ نے جلدی جلدی اپنی ضروری چیزیں یک جاکیں اور سیٹھ جی کے ساتھ موٹر میں بیٹھ گئی۔ گھر پہنچ کر سیٹھ جی نے عائشہ کو اپنی بیوی کے سپرد کیا اور خود کوتوالی ہوتے ہوئے عدالت پہنچے اور ضمانت کی درخواست دے دی۔

عدالت سے سیٹھ جی اپنی دوکان پر آئے اور چائے کے باغ کے منیجر کو ایک خط لکھا۔ خط میں عائشہ کا یا اس رات کے حادثے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بلکہ محض اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ مصطفٰے پر ان کا یہ شک کہ اس نے ان کے مکان پر ڈاکہ

ڈالا کسی سخت غلط فہمی پر مبنی تھا۔ خط میں اچھی طرح ظاہر کر دیا گیا تھا کہ مصطفےٰ ایک نہایت ہی نیک اور شریف لڑکا ہے۔ نیز یہ بھی جتا دیا گیا تھا کہ سیٹھ جی کی جانب سے اس قدر اطمینان دلا دئے جانے کے بعد بھی اگر منیجر مصطفےٰ کی مخالفت پر کمر بستہ رہا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا مخالفت سیٹھ جی سے کی جا رہی ہے کیونکہ سیٹھ جی مصطفےٰ کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے ہیں۔

ان سب کاموں سے نمٹ کر سیٹھ جی نے محمد فاروق صاحب کو تار کے ذریعہ سے اطلاع دی کہ آپ کا مصطفےٰ جس کی تصویر آپ نے اخبارات میں شائع کرائی ہے کولمبو میں ہے اور بدقسمتی سے ایک غلط فہمی کی بنا پر پولس کی حراست میں دے دیا گیا ہے۔ ممکن ہو تو فوراً چلے آئیے۔

سولھواں باب

محمد فاروق اور ان کی بیوی آمنہ فی الحقیقت مصطفیٰ سے ایسی ہی محبت کرنے لگے تھے کہ جیسی وہ اپنے بچے سے کرتے۔ بالخصوص آمنہ کو اس سے بہت ہی محبت ہو گئی تھی اور مصطفیٰ کی مفقود الخبری کا اثر اس کے دل پر بہت زیادہ تھا وہ اپنے تنہائی کے گھنٹوں میں اکثر پڑی پڑی یہ سوچا کرتی تھی کہ خدا جانے غریب مصطفیٰ پر کیا گزری کبھی کبھی اس کی نوعمری اور ناتجربہ کاری کا خیال آتا تو رنجیدہ ہو جاتی اور کبھی اس کی خودداری اور اولوالعزمی کی طرف دھیان جاتا تو دل ہی دل میں خوش ہو کر فخر کرتی اکثر اس کی عالم خیال کی یہ سیریں اس فقرے پر ختم ہوا کرتی تھیں کہ "مصطفیٰ خواہ کہیں بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو وہ ہرگز ہرگز اپنی قوم اور اپنے وطن کو بدنام نہیں کرے گا۔"

ایک روز شام کے وقت میاں بیوی دونوں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر باتیں کر رہے تھے۔

فاروق - اگر تم اسی طرح مصطفیٰ کا رنج کرتی رہیں تو چند ہی روز میں بالکل گھل جاؤ گی۔

آمنہ - میں کدھر سے گھل گئی ہوں اچھی خاصی تو ہوں۔

فاروق - میں ہنسی سے نہیں کہہ رہا ہوں - بلکہ درحقیقت تم اب بہت رنجیدہ اور مضمحل رہتی ہو اور یقینی طور پر تمہاری صحت پر اثر پڑ رہا ہے۔

آمنہ - تمہیں تو خواہ مخواہ کو وہم ہو گیا ہے - یہ ضرور ہے کہ میں اب کسی قدر چپ چپ رہا کرتی ہوں مگر اس کا علاج میرے پاس کیا ہے۔ تمہیں کیا کبھی مصطفٰے کا خیال نہیں آتا ہے - بس اسی طرح مجھے بھی وہ یاد آیا کرتا ہے۔

فاروق مجھے خیال ضرور آتا ہے مگر میں تمہاری طرح اپنی تندرستی اس کی نذر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں تم نے تو باقاعدہ سوگ منانا شروع کر دیا ہے۔

آمنہ - اب تمہارا سا پتھر دل کوئی کہاں سے لائے۔

فاروق - اس قدر موم ہونا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ ذرا سی آنچ میں پگھل کر بہ جائے۔

آمنہ - (بات ٹالنے کے لئے) پولیس والوں کمبختوں نے بھی آج تک کچھ پتہ نہ چلایا۔

فاروق - تم دیکھ لینا - میرا خیال صحیح نکلے گا وہ ہندوستان سے باہر کہیں چلا گیا ہے۔

آمنہ - (آنکھوں میں آنسو بھر کر) خیر وہ جہاں بھی گیا ہو خدا اسے خوش اور تندرست رکھے۔

فاروق - مجھے اس کے متعلق اطمینان ہے کہ وہ تندرست بھی رہے گا اور اپنی زندگی میں کامیاب بھی ہو گا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تار کے چپراسی نے آواز دی اور فاروق نے

جاکر اس سے تار لیا اور پڑھتے ہوئے گھر میں آئے۔

آمنہ۔ (اضطراب کے ساتھ) کس کا تار ہے۔ خیریت تو ہے؟

فاروق۔ لو تمھارے مصطفےٰ کا پتہ چل گیا۔

آمنہ۔ (خوش ہوکر) یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے اور احسان! (فاروق سے) کچھ بتاؤ بھی تو کہاں ہے۔

فاروق۔ کولمبو سے ایک سیٹھ صاحب نے تار دیا ہے اور لکھا ہے کہ جس لڑکے کی تصویر میں نے اخبارات میں چھپوائی تھی وہ وہاں موجود ہے اور کسی غلطی کی بنا پر پولیس کی حراست میں ہے۔ وہ مجھے کولمبو بلاتے ہیں۔

آمنہ۔ (پریشان ہوکر) پولیس کی حراست میں کیوں ہے یہ کچھ نہیں لکھا۔

فاروق۔ اب تار میں تفصیل کیسے لکھی جاتی۔

آمنہ۔ (منت و خوشامد کے لہجہ میں) اے ہے تو تم ضرور چلے جاؤ خدا جانے اس پر کیا مصیبت پڑی ہے۔

فاروق۔ بڑا لمبا سفر ہے۔

آمنہ۔ تمھیں تو سفر کرنے کی عادت ہے اور نہ بھی ہو تو ایسی حالت میں کیا ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ رہوگے۔ ذرا سوچو تو وہاں اس بے چارے کا کون ساتھ دے گا خدا جانے کمبخت پولیس والوں نے اس پر کیا الزام لگایا ہوگا۔ وہ ابھی بالکل بچہ ہی ہے وہ بھلا کچہری اور عدالت کی باتوں کو کیا جانے (رجاجت کے ساتھ) نہیں تم ضرور چلے جاؤ۔

فاروق۔ اچھا تم میرا سامان درست کردو۔ میں جاکر چھٹی لینے کی کوشش

کرتا ہوں۔
آمنہ - کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلی چلوں
فاروق - تم نے کو لمبو کو بھی لاہور یا امرتسر سمجھا ہے کہ ریل میں بیٹھے اور چند گھنٹوں میں پہنچ گئے۔
آمنہ - میں جانتی ہوں کہ وہ بہت دور ہے - لیکن کیا میں مصطفےٰ کی خاطر تھوڑی سی تکلیف نہیں اٹھا سکتی۔
فاروق - میرے خیال میں تو اتنا لمبا سفر تمہارے لئے بہت ہی سخت تکلیف کا باعث ہو گا۔
آمنہ - مجھے کچھ تکلیف نہیں ہو گی - لمبے سفر کیا عورتیں کرتی نہیں ہیں - انگریزوں کی عورتیں دنیا بھر میں ماری ماری پھرتی ہیں اور خود مسلمان عورتیں برابر حج کے لئے جایا کرتی ہیں - وہاں تو ریل بھی نہیں ہے - یہاں گھبراہٹ اور پریشانی میں مجھے جینا دوبھر ہو جائے گا۔
فاروق - میں تو تمہاری ہی تکلیف کے خیال سے کہتا تھا - اگر تم چلنے پر اس قدر آمادہ ہو تو مجھے کچھ عذر نہیں ہے چلی چلو۔
آمنہ نے جلدی جلدی ضروری سامان تیار کیا اور فاروق نے ایک مہینہ کی رخصت لی اور دوسرے دن دونوں کے دونوں کولمبو کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔

سترھواں باب

مصطفیٰ کو جب گرفتار کیا گیا ہے تو وہ سخت حیران تھا کہ یہ کیا مصیبت آگئی۔ اس نے عائشہ کی بدنامی کے خیال سے اس حادثہ کی بھی اطلاع پولیس میں نہیں کی تھی اور بطور خود عائشہ کی امداد کے لئے دوڑ پڑا تھا اور اب بھی اسے وہم و گمان تک نہ تھا کہ منیجر کے خلاف پولیس کی امداد حاصل کرے۔ اس کے لئے یہ کافی تھا کہ اس کی عائشہ اسے صحیح و سالم مل گئی اور اب اس کے دل میں منیجر کے خلاف کوئی بغض یا عناد نہ تھا۔

پولیس کے سپاہیوں نے جب اس سے یہ کہا کہ اسے منیجر کے مکان پر ڈاکہ ڈالنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے تو اسے اپنی اس حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ کیوں اس نے قانونی چارہ جوئی نہ کی اور منیجر کے اتنے بڑے جرم سے پولیس کو آگاہ نہ کیا۔ اسے اپنے گرفتار ہو جانے کا تو کچھ زیادہ غم نہ تھا۔ لیکن یہ خیال اس کے دل کو برابر تکلیف دے رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں عائشہ اکیلی رہے گی اور بالکل ممکن ہے کہ منیجر پھر زبردستی اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ گھر سے حوالات تک جاتے وقت وہ تمام راستے یہی سوچتا ہوا گیا کہ

عائشہ کی حفاظت کا اب کیا بندوبست ہو اور بالآخر اس نے یہی طے کیا کہ اگر سیٹھ عمر بھائی اسے گوارا کریں تو ان سے درخواست کرے کہ اس کی غیر حاضری میں وہ عائشہ کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ تھانے پہنچ کر اسے حوالات کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور اب وہ تنہائی میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ تمام واقعات پر غور کرنے کے لئے بیٹھا۔

حوالات ایک مختصر سی کوٹھری تھی جس میں کسی قسم کی صفائی تو کجا تازہ ہوا کے آنے جانے کے لئے بھی راستے نہ تھے اور مصطفیٰ کی سی طبیعت کے بچے کے لئے اس میں قیام کرنا انتہائی مصیبت سے کم نہ تھا۔ مگر مصطفیٰ کسی تکلیف یا مصیبت سے گھبرانا جانتا ہی نہ تھا اور وہ کچھ ایسی بے فکری اور بے پروائی کے انداز سے وہاں بیٹھا تھا کہ گویا ہمیشہ سے اسی جگہ رہنے کا عادی ہے۔ ایک نو عمر اور شریف صورت لڑکے کو حوالات میں بند دیکھنا بہت سے لوگوں کے لئے ایک دلچسپ تماشا تھا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں اس کی کوٹھری کے سامنے ایک اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی۔ مصطفیٰ نے اس بھیڑ کی بھی چنداں پرواہ نہ کی اور اسی طرح اپنے خیالات میں مستغرق بیٹھا رہا وہ سوچ رہا تھا اور کبھی کبھی تعجب سے مسکرا دیتا تھا کہ انسان کس قدر خود غرض اور کمینہ بن جاتا ہے اور بعض اوقات اپنی خواہش پوری کرنے یا اپنی کسی ناکامی کا انتقام لینے کے لئے وہ کیسی کیسی ظالمانہ اور سفاکانہ حرکات کر بیٹھتا ہے اسے حیرت تھی کہ آخر یہ منیجر کیوں میرا دشمن ہو گیا۔ میں نے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا بلکہ اگر کوئی زیادتی کی تھی تو خود اسی نے کی تھی۔ سوچتے سوچتے اسے ایک مرتبہ یہ بھی خیال آیا کہ منیجر کو ضرور عائشہ سے بہت محبت ہے اور بالکل ممکن

تھا کہ اگر شادی ہو جاتی تو وہ عائشہ کو بہت کچھ آرام پہنچاتا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ خیال بھی آیا کہ مجھے چاہیئے تھا کہ میں کوشش کرکے عائشہ کو رضامند کر دیتا۔ کیونکہ اس میں خود عائشہ کا فائدہ تھا یہ خیال دماغ میں آیا ضرور لیکن خود اس کے دل نے اسے کچھ اچھا نہ سمجھا اور فوراً ہی اس طرح اس کی تردید کر دی کہ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بطور خود عائشہ کو رضامند کرے اور اگر عائشہ رضامند ہو جاتی تو میں ہرگز اسے اس شادی سے نہ روکتا (اس خیال سے بھی اسے کچھ تکلیف محسوس ہوئی) کچھ رک کر اس نے پھر اپنے دل سے کہنا شروع کیا کہ ایک ایسا شخص جو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ایسے ایسے ظلم روا رکھ سکتا ہے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ عائشہ جیسی حور کو اس کے پنجے میں دے دیا جائے۔ خدا نے بڑی خیر کی کہ اس نے اس قسم کی زیادتی اور زبردستی کی کہ اب عائشہ کے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت بیٹھ گئی ہوگی۔ ورنہ اگر وہ عاجزی اور محبت کے ذریعہ کوشش کرتا تو ممکن تھا کہ عائشہ کے دل پر قابو حاصل کر لیتا مگر نہیں عائشہ کسی حالت میں بھی اس سے مانوس نہ ہوتی وہ تو روشن ضمیر ہے ہر بات کو پہلے ہی سے سمجھ جاتی ہے اور کسی بات میں غلطی نہیں کرتی۔

یہاں پہنچ کر اس کے خیالات نے پلٹا کھایا اور اس نے سوچا کہ آخر اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مجھ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے بنجر کے مکان پر ڈاکہ ڈالا عدالت کو غیب کا علم تو ہوتا نہیں ہے وہاں تو یہی ہوتا ہے کہ جس نے تھوڑا سا روپیہ صرف کر کے دو چار اچھے گواہ پیش کر دئے اور ذرا اچھی بحث اور جرح کرنے والا وکیل مقرر کر دیا وہی مقدمہ جیت گیا۔ یہ دونوں باتیں بنجر کے لئے بالکل

آسان ہیں میں ایسے گواہ کہاں سے لاؤں گا جو یہ کہہ سکیں کہ میں نے ڈاکہ نہیں ڈالا اس کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ میں نے منیجر کے مکان کی کھڑکی توڑی ہے اور اس کے گھر میں گھسا بھی ہوں اور ان دونوں باتوں سے میں کسی طرح انکار نہیں کرسکتا اور اگر ان باتوں کا اقرار کرتا ہوں تو پھر یہ بتانا پڑے گا کہ کیوں میں نے ایسا کیا اور عائشہ کی بدنامی کا خیال مجھے اس کے بتانے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ ایسی حالت میں عدالت اس کے سوا اور کیا خیال کر سکتی ہے کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا ہے وہ درست ہے اور میرے اقرار کر لینے کے بعد کسی گواہ اور شاہد کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بالآخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو نہ میں جھوٹ بولوں گا اور نہ عائشہ کا اس سلسلہ میں نام لوں گا۔

وہ ابھی اپنے ان ہی خیالات میں غرق تھا کہ حوالات کا دروازہ کھلا اور ایک شخص مصطفیٰ سے ملاقات کرنے کے لئے اندر داخل ہوا۔ آنے والا ایک بالکل اجنبی آدمی تھا اور مصطفیٰ بہت دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا کہ آخر اسے ایک غریب الوطن ملزم سے کیا کام ہو سکتا ہے۔

اجنبی۔ آپ مجھے پہچاننے کی کوشش ناحق کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے آپ اور میں کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے ہیں۔ میں اس وقت ایک دوسرے شخص کا بھیجا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ کو یہ خوش خبری سنانا چاہتا ہوں کہ اس مقدمے سے آپ کی بریت اور حوالات سے رہائی بہت آسانی سے ممکن ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خود آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ اگر چاہیں تو فوراً آپ کی رہائی ہو سکتی ہے۔

مصطفیٰ ۔ (تعجب سے) میں آپ کا مطلب نہ سمجھا۔ ذرا صاف صاف کہئے۔

اجنبی ۔ اصل یہ ہے کہ اگر آپ اس لڑکی کو منیجر صاحب کے سپرد کر دینے پر راضی ہو جائیں تو آپ کی رہائی ہو سکتی ہے اور اگر اب بھی آپ غلطی سے اپنی اسی ضد پر اڑے رہے تو آپ کے خلاف یہ مقدمہ چلایا جائے گا اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ڈاکے کی سزا کچھ تھوڑی سی نہیں ہو سکتی ۔

مصطفیٰ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے کہا ۔

مصطفیٰ ۔ اگر آپ صرف یہی پیغام لائے ہیں تو یہاں اور زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ میں اپنی رہائی کے بدلے میں ہرگز ایک بے کس لڑکی کو بیچنے کے لئے تیار نہیں ہوں ۔

اجنبی ۔ نوجوانوں کی طبیعت میں غصہ بہت ہوتا ہے اور غصہ کی حالت میں آدمی کبھی ٹھیک فیصلہ نہیں کر سکتا ۔ آپ جلدی نہ کیجئے آپ کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یوں بھی وہ لڑکی اب محفوظ نہیں رہ سکتی ۔ آپ جیل خانہ میں ہوں گے اور وہ منیجر صاحب کی کوٹھی پر ۔ جب کہ بہر صورت نتیجہ یہی ہوتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ کم از کم اس سے اتنا ہی فائدہ اٹھا لیں کہ خود آزاد ہو جائیں ۔

مصطفیٰ ۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال درست ہو اور منیجر صاحب ایسے ہی کمینے بن جائیں کہ ایک بے کس غریب لڑکی پر میری غیر موجودگی میں اس قدر ظلم کریں لیکن پھر بھی میں تو اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اپنی رضا مندی سے ایک ظالم کو اس کے ظلم میں مدد دوں ۔ میں نے منیجر صاحب کو اس بات کا موقع دیا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو اپنی محبت کا اظہار کر کے اس لڑکی کو رضامند کر لیتے اور ایسی صورت

بس مجھے ان کی مخالفت کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اس کی بجائے انھوں نے ظلم اور جبر سے کام نکالنا چاہا اور ہم دونوں کے دلوں میں اپنی طرف سے نفرت پیدا کر لی ہیں غصہ کی وجہ سے انکار نہیں کر رہا ہوں بلکہ درحقیقت میں اس کو بیچ کر آزادی حاصل کرنے پر اپنے مرجانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ دنیا کی عدالت بیشک ان کے دھوکے میں آسکتی ہے۔ لیکن ایک عدالت اور بھی ہے جہاں مکر اور دغابازی نہیں چل سکتی اور وہاں منجر صاحب جھوٹے گواہوں اور وکیلوں سے کام نہیں نکال سکتے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو ان کا جی چاہے کریں خدا ہم دونوں کا محافظ ہے۔

اجنبی ۔ مجھے آپ کی جوانی پر رحم آتا ہے۔ آپ کو ڈاکے کے جرم میں اگر سزا ہوگئی تو آپ کی تمام زندگی برباد ہو جائے گی۔

<u>مصطفٰے</u>۔ لیکن اس لڑکی کو فروخت کرنے سے تو میرا ایمان برباد ہو جائے گا اور اس طرح آزاد ہو کر بھی میں کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ خود میرا دل ہر وقت مجھے ملامت کیا کرے گا اور یہ بدترین تکلیف ہے۔

اجنبی نے تھوڑی دیر تک مصطفٰے کو حیرت اور تعظیم کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا کہ "اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔"

اٹھارھواں باب

چائے کے باغ کا منیجر فی الحقیقت کچھ بہت ہی عجیب قسم کا انسان تھا۔ دنیا میں اس نے اپنی زندگی کا صرف ایک ہی اصول بنا رکھا تھا کہ دل کی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہیئے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز اور اپنی خواہشات سے وہ اس درجہ مغلوب تھا کہ ان کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کام میں بھی تامل نہیں ہوتا تھا اس کی آمدنی کے ذرائع میں بھی جائز و ناجائز کی تفریق نہ تھی اور اس لئے وہ بہت کافی تھی۔ اپنی ذرا ذرا سی خواہشوں پر بعض اوقات وہ اس قدر بڑی بڑی رقمیں صرف کر دیتا تھا کہ دوسروں کو حیرت ہو جاتی تھی اور اکثر لوگوں کو اسی بنا پر یہ خیال تھا کہ وہ ایک بے اندازہ دولت کا مالک ہے۔ مزدورنیوں میں اکثر اس کی لازوال دولت کے چرچے ہوا کرتے تھے اور ان میں سے بہت سی لڑکیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اسے ایک بہت ہی بڑا خزانہ دستیاب ہو گیا ہے۔ شہر میں بھی اس کی تو نہیں مگر اس کی دولت کی عزت ضرور تھی اور اسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں جو کچھ چاہوں کر سکتا ہوں اور کسی کی اتنی مجال نہیں ہے کہ میرے حکم سے سرتابی کر سکے۔ پولیس کے افسر اور حکومت کے دیگر عہدہ دار اکثر اس کے

دسترخوان سے لذت یاب ہوتے رہتے تھے اور اسے یہ زعم باطل بھی پیدا ہو گیا تھا کہ پولیس اور مجسٹریٹ سب میرے ممنون احسان اور نمک خوار ہیں اور ناممکن ہے کہ میرے اشاروں پر نہ چلیں۔

عائشہ کے حادثے کی شب میں وہ پولیس کا نام سنتے ہی گھبرا کر بھاگ ضرور لیکن گھر پہنچ کر جب اس نے دیکھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا گیا ہے تو اس کی ہمت بڑھی اور تھوڑی ہی دیر میں اس نے کوتوالی سے معلوم کر لیا کہ اس کے خلاف کوئی رپورٹ درج نہیں ہوئی۔ مصطفےٰ کی اس ناتجربہ کاری اور حماقت پر اسے فاتحانہ ہنسی آئی اور ایک ادائے غرور کے ساتھ اس نے کہا کہ "وہ ذلیل چھوکرا بھلا کیا میرا مقابلہ کر سکتا ہے" اس کے بعد اس نے اچھی طرح تمام حالات پر غور و خوض کرنے کے بعد مصطفےٰ کے خلاف یہ رپورٹ لکھوا دی اور اسے گرفتار کرا دیا۔

مصطفےٰ کی گرفتاری کے تھوڑی ہی دیر بعد سیٹھ عمر بھائی کا رقعہ پہنچا اور یہ یہ ہرگز ایسی چیز نہ تھی جسے وہ حقارت کے ساتھ پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سیٹھ عمر بھائی کو لکھنؤ میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخص ہیں اور ہر شخص کے دل میں ان کی سچی عزت اور محبت ہے اسے یہ بھی معلوم تھا کہ روپیہ خرچ کرنے میں بھی وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا کیونکہ عمر بھائی کے پاس حقیقتاً بے قیاس دولت تھی۔ یہ دیکھ کر کہ مصطفےٰ کو سیٹھ عمر بھائی جیسے شخص کی پناہ مل گئی ہے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس نے بہت کچھ غور کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو وہ اپنے وکیل سے اور ان تھانہ دار صاحب سے ملنے اور مشورہ کرنے کے لئے چلا گیا جنھوں نے اس مقدمہ میں مدد دینے کا وعدہ کیا تھا

تھانہ دار صاحب تو سیٹھ عمر بھائی کا نام سنتے ہی کچھ خاموش ہو گئے اور منیجر کے بار بار پوچھنے پر کہا بھی تو بس اس قدر کہ عمر بھائی کے خلاف کوئی کام کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر یہ مقدمہ سچا بھی ہوتا تب بھی ان سے مخالفت کرکے کامیاب ہونا دشوار تھا۔ کہ یہ تو مقدمہ ہی بالکل فرضی ہے۔ ان کے انداز سے منیجر نے یہ سمجھ لیا کہ اب رشوت کا لالچ بھی انھیں مقدمہ کی پیروی پر آمادہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس نے وہ نوٹ اپنی جیب ہی میں رہنے دئے جو اس غرض سے لایا تھا۔ اور وکیل کے یہاں پہنچا وکیل صاحب مدراس کے رہنے والے تھے اور اپنے پیشہ میں بہت کامیابی حاصل کرچکے تھے۔ وہ بھی اگرچہ عمر بھائی کا نام سن کر چونکے تو سہی مگر عینک کے شیشے رومال سے صاف کرکے نہایت سنجیدگی اور متانت سے بولے کہ جناب یہ مقدمہ تو عدالت میں جائے گا وہاں کیسے عمر بھائی اور کیسے کوئی بھائی۔ آپ کچھ فکر نہ کیجئے آپ ضرور جیتیں گے اور اس لڑکے کو سزا ہو جائے گی وہ تو بالکل کھلی ہوئی اور صاف بات ہے۔ اب اگر وہ لڑکا چوریاں کرتا پھرے گا تو کیا عمر بھائی اسے سزا سے بچا سکتے ہیں آپ دیکھیں تو سہی میں اسے کیسا پھانستا ہوں۔ آپ بس اتنا کیجئے کہ اپنے گواہوں کو اچھی طرح سکھا پڑھا کر مضبوط کر دیجئے۔

منیجر۔ گواہ تو سب ٹھیک ہیں لیکن ایک دقت یہی ہے کہ وہ مصطفےٰ کو پہچانتے نہیں ہیں۔

وکیل۔ تھانہ دار سے مل کر ایسا انتظام کر لیجئے کہ گواہ اسے ایک دفعہ دیکھ لیں۔

منیجر۔ عمر بھائی کا نام سنتے ہی تھانے دار پر کچھ ایسا رعب غالب ہو گیا کہ اب وہ کسی قسم کی مدد دینے کو تیار نہیں ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ مصطفےٰ ہی کو

بدلہ دے گا۔

وکیل۔ اجی تو تھانے کے محرر سے یا کسی اور سپاہی وغیرہ کی معرفت انتظام کر لیجئے۔ آخر وہ تھانے دار دن بھر خود تو حوالات کی کوٹھڑی میں بیٹھا نہیں رہے گا

منیجر۔ میں کوشش کروں گا۔

وکیل صاحب کی ہمت افزائیوں سے منیجر کو کچھ امید تو ضرور بندھی مگر سیٹھ عمر بھائی کا خوف پھر بھی کچھ ایسا غالب تھا کہ اس نے یہی مناسب خیال کیا کہ سیٹھ جی سے مل کر معذرت خواہی کرے وکیل سے فارغ ہو کر وہ سیدھا سیٹھ عمر بھائی کے یہاں گیا اور نہایت ہی منافقانہ طور پر ان سے کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ مصطفےٰ آپ کے یہاں ملازم ہے ورنہ میں اسے بخوشی معاف کر دیتا"۔

سیٹھ جی۔ آپ کی نوازش کا شکریہ! لیکن میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ وہ بالکل بے قصور ہے اور میں نے آپ سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ ایک مجرم کو معاف کر دیں۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ ایک بے گناہ کو ایذا پہنچانے کے جرم سے بچ جائیں۔

منیجر۔ (ہنس کر) اس کی صورت کچھ ایسی معصومانہ ہے کہ ہر شخص کو اس پر ترس آجاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں بھی ہرگز اسے مجرم نہ خیال کرتا اگر اس قدر زبردست اور سچی شہادت اس کے خلاف نہ ہوتی۔

سیٹھ جی۔ میں پھر آپ سے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے خلاف جتنی شہادتیں بھی ہیں سب از سرتاپا جھوٹی اور بے بنیاد ہیں۔ اگر مصطفےٰ قابل الزام ہوتا تو میں ہرگز ہرگز

اس کی طرف داری نہ کرنا۔ بہر حال وہ مجرم نہ سہی لیکن ملزم تو ضرور ہی ہے اور عدالت نے ضمانت کی درخواست بھی نامنظور کر دی ہے۔ اس لئے اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا ارادہ آئندہ کے متعلق کیا ہے۔

منیجر۔ کیا عرض کروں مجھے درحقیقت آپ سے بڑی شرمندگی سی ہے مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اب فیصلہ تو عدالت ہی کے ہاتھ میں ہے میں یہی کر سکتا ہوں کہ اب اور کوئی کارروائی اس کے خلاف نہ کروں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسے سزا دلانے کی میری جانب سے کوئی کوشش نہ ہو گی۔

سیٹھ جی۔ میں آپ کا ممنون ہوں اور ایک مرتبہ پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مصطفےٰ بالکل بے گناہ ہے اور اگر آپ اس کے خلاف کچھ کریں گے تو وہ ظلم ہو گا

منیجر کسی قدر مسکرایا اور سیٹھ جی سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔

انیسواں باب

مصطفےٰ نے تو اپنی مصیبتوں کو انتہائی جواں مردی اور صبر کے ساتھ برداشت کیا تھا لیکن عائشہ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی اگر اس کی اپنی جان پر کوئی مصیبت ہوتی تو وہ بھی یقیناً ایسے ہی استقلال و ہمت سے اسے برداشت کرتی لیکن اسے یہ کسی طرح بھی گوارا نہ تھا کہ مصطفےٰ جیل خانہ کی اذیتیں بھگتے اور وہ سیٹھ صاحب کے گھر میں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتی رہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں کہ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ مصطفےٰ یہ تمام آفتیں صرف اس کی ہی وجہ سے جھیل رہا ہے اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مصطفےٰ نے کس طرح ڈاکہ ڈالا تھا اور کیا چیز چرائی تھی اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ نیجر کیوں مصطفےٰ کا دشمن ہو گیا ہے اس کا تمام وقت اسی فکر میں گزرتا تھا کہ وہ کس طرح مصطفےٰ کی مدد کرے اور جب شام کو سیٹھ جی دوکان سے واپس آکر اسے دن بھر کے حالات اور مصطفےٰ کی ملاقات کے واقعات سنایا کرتے تو وہ ہمہ تن گوش بن کر سنتی اور پھر تقریباً تمام رات ان پر غور کرتی رہتی۔ جب وہ سیٹھ جی سے یہ سنتی کہ مصطفےٰ حوالات میں بہت خوش ہے اور اسے قطعاً کوئی فکر نہیں ہے تو اس کے ننھے سے دل پر چوٹ لگتی اور وہ دل میں کہتی کہ ہائے

میری وجہ سے ایک ایسا بہادر شخص قید میں پڑا ہے جو قید کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ پھر آپ ہی آپ سوچتی کہ مصطفےٰ قید میں صرف اس سبب سے خوش رہتے ہیں کہ وہ میری وجہ سے قید ہوئے ہیں یہ خیال اس کے نازک دل کے لئے بیحد تکلیف دہ ثابت ہوتا تھا اور جھنجلا جھنجلا کر رہ جاتی تھی کہ افسوس جس شخص نے میری جان بچائی اسے مجھ سے کچھ آرام و راحت پہنچنے کی بجائے جیل خانے کی کوٹھری نصیب ہوئی۔ غم اور غصہ کا جب کچھ نتیجہ نکلتا نظر نہ آتا تو وہ عاجز ہو کر اس قاضی الحاجات کی طرف رجوع کرتی جو ہر شخص کی مشکلوں کا آسان کرنے والا ہے اور گھنٹوں ننھے ننھے ہاتھ اٹھائے دعا مانگتی رہتی۔ دعا خواہ قبول ہو یا نہ ہو لیکن اس کا فوری اثر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ اور سکون ناآشنا دل تھوڑی دیر کے لئے مطمئن ہو جاتا ہے اور عائشہ پر بھی اس اظہار عبودیت کا یہی اثر ہوتا تھا کہ وہ روتے روتے اور دعا مانگتے مانگتے کچھ تو تھک کر اور کسی قدر سکون پذیر ہو کر سو جایا کرتی تھی۔

سیٹھ جی کی بیوی اور نوجوان لڑکی عائشہ سے بہت محبت کرنے لگی تھیں اور دونوں ماں بیٹیوں کی انتہائی کوشش یہی ہوتی تھی کہ جس طرح بھی بنے عائشہ کو خوش رکھیں اور اگر کسی وقت عائشہ اپنے غم انگیز خیلات سے ذرا سی دیر کو علیحدہ ہو جاتی تھی تو اس کا باعث سیٹھ جی کی لڑکی اختر بائی کی والہانہ محبت تھی۔

روز کے غم اور ہر وقت کی پریشانی نے عائشہ کی صحت پر بھی اثر کیا اور اس کے پھول سے رخسار بالکل زرد پڑ گئے۔ نازک نازک ہونٹ جن پر

ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی خشک ہو گئے اور تندرست و توانا عائشہ بالکل مضمحل اور نڈھال ہو کر رہ گئی۔ سیٹھ جی نے ایک روز اس سے کہا بھی کہ عائشہ اگر تم کہو تو تمھیں بھی مصطفےٰ سے ملا لائیں لیکن دل میں انتہائی شوق ہونے کے باوجود وہ نہ گئی اور یہی کہہ دیا کہ مصطفےٰ کو قید میں بیٹھا ہوا مجھ سے نہیں دیکھا جائیگا۔ صبح کو سیٹھ جی سے یہ کہہ دینے کے بعد وہ تمام دن اپنی اس حماقت پر افسوس کرتی رہی کہ کیوں سیٹھ جی کی مہربانی سے فائدہ نہ اٹھایا اور مصطفےٰ سے ملاقات نہ کر آئی۔

اسی طرح برابر دن گزرتے چلے گئے اور مقدمہ کی تاریخ آ پہنچی مصطفےٰ کو پولیس کی حراست میں کچہری لے جایا گیا اور چونکہ ایک ایسے شریف صورت اور نوجوان لڑکے کا ڈاکو ہونا عوام کے لئے ایک دلچسپ چیز تھی اس لئے بہ کثرت تماشائی بھی عدالت میں جا پہنچے۔ مجسٹریٹ ایک شریف النفس پارسی بزرگ تھے جن کے چہرے سے ایمانداری اور صداقت شعاری عیاں تھی۔ جب مصطفےٰ کٹہرے میں آ کر کھڑا ہوا تو تماشائیوں کے ہجوم میں سے اکثر کو اس کے ساتھ ایک ہمدردی سی ہو گئی اور ایسے لوگ بہت ہی کم تھے جو اسے مجرم خیال کرتے ہوں۔ استغاثہ کے گواہوں نے اگرچہ اپنے بیان میں تو اچھی طرح سے مصطفےٰ کو قصوروار ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن تقریباً وہ سب کے سب اسے شناخت کرنے سے عاجز رہے۔ اس لئے سیٹھ عمر بھائی کی طرح ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ مصطفےٰ بری ہو جائے گا۔ خود منیجر کے وکیل نے نہایت افسوس کے ساتھ چپکے سے منیجر سے کہا کہ گواہ سب بگڑ گئے اور اب مقدمہ کا فیصلہ مصطفےٰ کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

مقدمہ کے شروع میں جب مصطفےٰ سے پوچھا گیا تھا کہ تم نے منیجر کے مکان پر ڈاکہ ڈالا تو اس نے انکار کیا تھا لیکن اب مجسٹریٹ اور سیٹھ عمر بھائی کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب مجسٹریٹ کے سوال کے جواب میں مصطفےٰ نے کہا کہ میں منیجر کے گھر میں گھسا تھا۔

مجسٹریٹ۔ تم منیجر کے مکان میں کس راستے سے داخل ہوئے تھے۔

مصطفےٰ۔ شمالی دیوار کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر۔

مجسٹریٹ۔ مگر تمہارا تو بیان تھا کہ تم نے ڈاکہ نہیں ڈالا۔

مصطفےٰ۔ اب بھی میرا بیان یہی ہے۔

مجسٹریٹ۔ (حیرت سے) تم اقبال کرتے ہو کہ تم نے مدعی کے مکان کی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اس راستے سے مکان میں داخل ہوئے اور پھر یہ بھی کہتے ہو کہ تم نے ڈاکہ نہیں ڈالا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

مصطفےٰ۔ میں یقیناً اسی طرح سے ان کے مکان میں گھسا تھا لیکن نہ میں چوری کی نیت سے گیا تھا اور نہ میں نے چوری کی حالانکہ یہ مجھے دیکھ کر بھاگ گئے تھے اور مکان بالکل اکیلا تھا۔

بہت سی نگاہیں منیجر کی طرف کو اٹھیں اور یہ دیکھا گیا کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

مجسٹریٹ۔ اگر تمہاری نیت چوری کی نہ تھی تو اس طرح بالجبر تم مدعی کے مکان میں کیوں داخل ہوئے تھے۔

ہر شخص اس سوال کا جواب سننے کے لئے مصطفےٰ کے چہرے پر نگاہ جمائے

ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی تھی نہ ہراس اور وہ خاموش کھڑا تھا تھوڑے سے وقفہ کے بعد مجسٹریٹ نے پھر اپنا سوال دہرایا اور اب مصطفےٰ کے چہرہ سے یہ . . . . . . معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی اضطراب اور تذبذب میں مبتلا ہے یہ حالت چند سکنڈ تک رہی اور اس کے بعد اس نے پورے استقلال کے ساتھ کہا

مصطفےٰ ا۔ میں اس بات سے اچھی طرح واقف ہوں کہ تمام حالات سے عدالت کو پوری پوری اطلاع دے کر منصفانہ اور قانونی کارروائیوں میں امداد دینا ہر ایماندار شہری کا فرض ہے اور میں بڑی خوشی سے اپنے اس فرض کو ادا کر کے عدالت کے حکم کی تعمیل کرتا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ میں مجبور ہوں اور اپنے اس راز کو کسی حالت میں بھی بیان نہیں کر سکتا۔

مجسٹریٹ تمہیں یہ خیال نہیں ہے کہ تم ایک ایسے فعل کے ارتکاب کا اقبال کر چکے ہو کہ جو جرم ہے اور اب اگر اس کے لئے کوئی معقول وجہ بتاؤ گے تو عدالت تمہیں سزا دینے پر مجبور ہوگی۔

مصطفےٰ ا۔ میں اس بات سے اچھی طرح واقف ہوں اور ہر قسم کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن وہ راز کسی طرح ظاہر نہیں کر سکتا۔ میرے لئے یہ بہت آسانی سے ممکن تھا کہ میں اس الزام سے بالکل انکار کر دیتا کہ جو مجھ پر لگایا گیا ہے اور شاید اس طرح صاف بری ہو جاتا۔ لیکن میں جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اسی لئے جب عدالت نے یہ سوال کیا کہ آیا میں مدعی کے مکان میں بالجبر داخل ہوا تھا یا نہیں تو مجھے اقرار کرنا پڑا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں وہ سب

راز بیان کردوں تو عدالت ضرور مجھے بری کردے گی۔ لیکن افسوس یہی ہے کہ وہ ایک ایسا راز ہے جسے میں کسی حالت میں بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔

مجسٹریٹ۔ جہاں تک شہادتوں کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ تمھارے خلاف کوئی ایسی شہادت نہیں ہے جو قابل لحاظ ہو۔ لیکن جب کہ تم خود ایک جرم کا اقبال کررہے ہو اور اصل حالات سے عدالت کو بے خبر رکھنا چاہتے ہو تو قانون مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں تمھیں سزا دوں۔

مصطفےٰ میں نے ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے اور بخوشی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔

چائے کے باغ کا منیجر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا اور سیٹھ عمر بھائی بیچارے نادم و پشیمان سے کھڑے تھے کہ یکایک تماشائیوں کی گیلری میں فاروق اور آمنہ داخل ہوئے۔ ایک برقعہ پوش عورت کا اس گیلری میں آنا ذرا نئی سی بات تھی اس لئے سب کی نگاہیں اسی طرف کو اٹھ گئیں اور مصطفےٰ نے بھی ادھر دیکھا۔ فاروق کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ برقعہ پوش کون ہے اور بے اختیار اس کا دل چاہتا تھا کہ دوڑ کر آمنہ سے لپٹ جائے۔ فاروق اور آمنہ نے بھی بڑے ضبط سے کام لیا اور خاموشی کے ساتھ تماشائیوں کے ہجوم میں بیٹھ گئے۔ فریقین کے وکلا نے عدالت کو مخاطب کرکے تقریریں کیں اور ان تقریروں سے فاروق اور آمنہ کو مقدمہ کے متعلق تمام حالات معلوم ہو گئے۔ فیصلہ سنانے سے قبل عدالت نے ایک مرتبہ پھر مصطفےٰ کو موقعہ دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنا راز عدالت پر ظاہر کردے۔ لیکن وہ اپنے ارادہ پر بدستور قائم تھا اور اس نے کہا۔

مصطفےٰ۔ میں ممنون ہوں کہ عدالت مجھے پھر اپنی صفائی پیش کرنے کا موقعہ دے رہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میں بالکل مجبور ہوں اگر اس راز کا تعلق مجھ سے ہوتا تو میں ضرور ظاہر کر دیتا لیکن اس کا تعلق ایک ایسی ہستی سے ہے جسے عدالت میں رسوا کرنا میں کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا اور یہی وجہ ہے کہ میں ایک ناکردہ گناہ کی سزا قبول کرنے کو تیار ....

یہ جملہ ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ یکایک عدالت کے کمرے میں ایک نہایت حسین اور نوجوان لڑکی کے داخل ہونے سے ہر شخص اس طرف متوجہ ہو گیا۔ لڑکی نے آتے ہی عدالت سے درخواست کی کہ اس مقدمہ کے متعلق جو حالات اسے معلوم ہیں انہیں عدالت کے سامنے پیش کر سکے۔ سیٹھ عمر بھائی اور مصطفےٰ دونوں اس لڑکی کو دیکھ کر حیران اور ہکا بکا رہ گئے تھے۔ کیونکہ وہ عائشہ تھی۔ عائشہ نے پہلی نگاہ تو مصطفےٰ اور سیٹھ عمر بھائی پر ڈالی۔ مگر اس کے بعد پھر ان دونوں کی طرف نگاہ ہی نہ کی۔ تماشائیوں کے ہجوم میں ایک کھلبلی سی مچ گئی اور ہر شخص مضطربانہ اور بے تابانہ منتظر تھا کہ دیکھیں عدالت کیا حکم دیتی ہے اور وہ لڑکی کیا کہتی ہے۔

فاضل مجسٹریٹ نے تھوڑی سی دیر غور کرنے کے بعد لڑکی کا نام پتہ وغیرہ پوچھا اور اسے حکم دیا کہ مقدمہ کے متعلق جو کچھ اسے معلوم ہے بیان کرے

عائشہ کو جب بیان دینے کی اجازت ملی تو مصطفےٰ سخت بے چین تھا اور چائے کے باغ کے منیجر کے منہ پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ اسے عائشہ کے تیوروں سے یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ضرور تمام اصلی واقعات بیان کرے گی اور اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں نکل سکتا کہ منیجر کی تباہی اور بربادی ہو۔ عائشہ کی محبت اب اس کے دل سے

محو ہو چکی تھی اور وہ اس کے لئے بالکل تیار تھا کہ اگر موقعہ مل جائے تو اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کردے۔

مصطفےٰ چاہتا تھا کہ عائشہ ذرا اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے اشارہ سے منع کردے اور صحیح واقعات نہ بیان کرنے دے۔ لیکن عائشہ نے اپنے اوپر انتہائی جبر کرکے اس طرف دیکھا ہی نہیں اور نہایت بے باکی کے ساتھ بیان دینے کے لئے تیار ہو گئی۔ فاروق اور آمنہ دونوں جہاں مصطفےٰ کے لئے رو رہے تھے وہاں اس کی صداقت پسندی اور شریفانہ دلیری کی سچے دل سے داد بھی دے رہے تھے لیکن اب عائشہ کی آمد نے ان دونوں کو بھی ایک عجیب اضطراب و ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ انتہائی بے صبری کے ساتھ منہ کھولے ہوئے اس کے بیان کے منتظر تھے۔

عائشہ نے ایک ایسی آواز سے کہ جس میں ذرا سا بھی خوف یا جھجک نہ تھی عدالت کو مخاطب کرکے کہنا شروع کیا۔

عائشہ ۔ میں اپنے چند واقعات ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کردوں گی تاکہ عدالت اچھی طرح ان تمام باتوں کو سمجھ سکے جن کا اس مقدمہ سے تعلق ہے۔ میں اپنے ماں باپ کے ساتھ برما جا رہی تھی اور ہم سب "رام لیلا" نامی جہاز میں سوار تھے۔ جہاز بدقسمتی سے طوفان میں پھنس گیا۔ جس وقت جہاز کے مسافروں کو چھوٹی کشتیوں میں اتارا جا رہا تھا۔ اس وقت میں ایک موج کے دھکے سے جہاز پر گر پڑی اور میرا سر پھٹ گیا اور بے ہوش ہو گئی۔ کسی کو میرا خیال اس وقت نہ آ سکتا تھا اور نہ آیا اور میں یقیناً وہیں بڑی بڑی جہاز کے ساتھ ڈوب جاتی اگر اتفاق سے ملزم یعنی مصطفےٰ جو اس جہاز پر ملازم تھے ادھر نہ جا نکلتے۔ انھوں نے مجھے بڑے دیکھا اور وہاں سے

اٹھا کر لائے اور بڑی مشکل سے میرے لئے عورتوں کی کشتی میں جگہ نکالی بد قسمتی نے ہمارا ساتھ ابھی نہیں چھوڑا تھا اور ابھی کشتیاں جہاز سے زیادہ دور نہ ہونے پائی تھیں کہ جہاز ڈوب گیا اور اس کے صدمے سے ہماری کشتی الٹ گئی۔ میں اور میرے ہمراہ تمام عورتیں سمندر میں ڈوب گئیں مجھے نہیں معلوم کہ یہ اتفاق کس طرح ہوا۔ لیکن یہی مصطفیٰ پھر ایک مرتبہ میری جان بچانے کا سبب بنے۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ مصطفیٰ نے مجھے ایک نہانے کے ٹب میں لٹا رکھا ہے اور خود اسے پکڑے ہوئے سمندر میں تیر رہے ہیں۔ جس جہاز نے ہم لوگوں کی مدد کی وہ کولمبو آرہا تھا۔ اس طرح میں اور مصطفیٰ اور بعض اور مسافر کولمبو میں اتار دئے گئے۔ یہاں مصطفیٰ نے چائے کے ایک باغ میں ملازمت حاصل کرلی اور اس طرح ہم لوگوں کا سابقہ مسٹر گھاس لیٹ والا سے پڑا جو اس باغ کے منیجر ہیں اور اس مقدمہ میں مدعی ہیں۔ مجھے شروع ہی سے یہ خیال ہوا تھا کہ منیجر صاحب کی نگاہیں مجھ پر کچھ اچھی نہیں پڑتی ہیں اور یہ بات مجھے ابھی چند روز ہوئے جب معلوم ہوئی کہ منیجر صاحب نے مجھے مصطفیٰ سے خریدنے کی کوشش کی تھی جس پر انھوں نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر منیجر صاحب کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے مصطفیٰ کو بلا کسی عذر کے ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ ملازمت سے علیحدگی کے بعد کچھ دن ہم لوگوں پر بڑی تکلیف کے گزرے لیکن مصطفیٰ نے بڑی جواں مردی سے ان مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور کسی طرح بھی اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ منیجر صاحب کو خوش کرکے اپنی تکلیفیں دور کریں۔ مصطفیٰ نے ان باتوں کا ذکر بھی مجھ سے کبھی نہیں کیا اور یہ سب حالات مجھے ان کے گرفتار ہو جانے کے بعد معلوم ہوئے ہیں۔ ایک روز شام کے وقت مصطفیٰ کے دو دوست انھیں زبردستی بائسکوپ

کا تماشا دکھانے کے لئے لے گئے اور کسی طرح منیجر صاحب کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ انھوں نے اپنے چند آدمیوں کو بھیج کر زبردستی مجھے میرے مکان سے اٹھوا منگوایا اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر اپنی اس کوٹھی میں رکھا کہ جہاں ڈاکہ ڈالنے کا مصطفےٰ پر الزام لگایا گیا ہے۔ مصطفےٰ کو تماشے سے واپس آنے پر میں نہ ملی تو انھیں سب سے پہلے منیجر صاحب ہی پر شک ہوا۔ اور یہ ان سے غلطی ہو گئی کہ وہ پولیس میں اطلاع کئے بغیر خود ہی میری مدد کو دوڑ پڑے۔ جب مصطفےٰ اور ان کے دونوں دوست پہنچے ہیں تو میں بندھی ہوئی ایک پلنگ پر پڑی تھی اور منیجر صاحب میری خوشامد کر رہے تھے کہ میں انھیں معاف کر دوں تو وہ مجھے کھول دیں۔ مصطفےٰ نے کھڑکی کا شیشہ توڑ ڈالا اور منیجر صاحب کو ڈرانے کے لئے جھوٹ موٹ پولیس والوں کا نام لے کر آواز دی کہ اس طرف آجائیں پولیس کا نام سنتے ہی منیجر صاحب مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے اور مصطفےٰ نے مجھے کھولا اور اپنے ساتھ گھر کو لائے۔ منیجر صاحب نے جب یہ دیکھا کہ پولیس میں کوئی اطلاع نہیں کرائی گئی ہے تو انھوں نے کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ جانے سے فائدہ اٹھایا اور مصطفےٰ کو ڈاکے کے الزام میں گرفتار کرا دیا۔

میں تماشائیوں میں بیٹھی ہوئی اس مقدمہ کی کارروائی سن رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ مصطفےٰ سب حالات صحیح صحیح عدالت کو بتا دیں گے مگر جب میں نے یہ دیکھا کہ صرف میری بدنامی کے خیال سے وہ اپنا راز ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور بے گناہ سزا بھگتنے پر تیار ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے حاضر ہو کر خود سب حالات عدالت کو بتا دئے ہیں۔ مصطفےٰ کا گناہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انھوں نے ایک بے کس اور مظلوم لڑکی کو ایک جابر اور ظالم بدمعاش کے پنجے سے نجات دلائی ہے

اور اس اچھے اور نیک مقصد کے لئے مدعی کے مکان کی کھڑکی کا ایک شیشہ توڑا ہے عدالت کے کمرہ میں سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص کی نگاہیں محبت اور تعظیم کے ساتھ مصطفیٰ کی طرف اٹھیں اور عقیدت مندی کے ساتھ پھر جھک گئیں۔ آمنہ اور فاروق کے چہروں پر خون دوڑ گیا اور ان کی آنکھوں سے فخر و غرور کا کیف ظاہر ہونے لگا۔ ہر شخص کو اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر مصطفیٰ کو بہادرانہ شرم سی آگئی اور وہ سر جھکا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ منیجر اسی وقت سے بدحواس اور پریشان نظر آرہا تھا کہ جب عائشہ نے اپنا بیان شروع کیا اور اب تو اس کی گھبراہٹ اور اضطراب کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور ہاتھوں کی انگلیاں کوٹ کے دامنوں کی بتیاں بٹنے میں مصروف تھیں۔

مدعی کے وکیلوں نے بڑے بڑے زور لگائے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی عدالت کو مصطفیٰ کے جرم کا یقین نہ دلا سکے۔ مصطفیٰ صاف بری ہو گیا اور منیجر پر مقدمہ قایم ہو گیا۔ تماشائیوں کے ہجوم نے مصطفیٰ کو اس کے اس دلیرانہ طرز عمل پر مبارک باد دی اور فاروق نے عدالت سے نکلتے ہی دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ برقعہ پوش آمنہ نے بھی اسے گلے لگایا اور سیٹھ عمر بھائی نے بھی اور اس کے بعد سب نے عائشہ کی جرات و ہمت کی بڑی تعریف کی۔ ہنستے اور خوش ہوتے سب کے سب سیٹھ جی کے مکان پر پہنچے۔ جہاں سیٹھ جی کی دریا دلی ایک نہایت ہی پر تکلف دعوت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ کھانے کے دوران میں سب سے زیادہ پر لطف وہ بحث تھی جو عائشہ اور مصطفیٰ کے

درمیان ہوتی رہی ۔ عائشہ اسے الزام دیتی تھی کہ تم نے اصل حالات کیوں پوشیدہ
رکھے تھے اور وہ اس سے شکایت کر رہا تھا کہ تم عدالت کے کمرہ میں کیوں جا پہنچیں
آمنہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس شریف اور بہادر
لڑکے پر صدقے قربان ہو رہی تھی جسے انسان بنانے میں اس کی اپنی کوششوں
کو بہت کچھ دخل تھا ۔

بیسواں باب

چار کے باغ کا نیجر انتہائی کوشش کے باوجود سزا سے نہ بچ سکا۔ مصطفٰے اور عائشہ دونوں سیٹھ عمر بھائی کے یہاں مستقل طور پر رہنے لگے۔ آمنہ اور فاروق نے جب چندروز تک سیٹھ صاحب کی مہمان نوازیوں کا لطف اٹھا کر جانا چاہا تو مصطفٰے سے بھی درخواست کی کہ وہ ان کے ہمراہ چلا چلے۔ مصطفٰے کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ آمنہ کی خواہش سے انکار نہ کرے لیکن اس کی ہمت مردانہ نے اس کو گوارہ نہ کیا کہ جس غرض سے اس نے اپنا وطن چھوڑا تھا اس میں ناکام و نامراد واپس جائے۔ اس نے کہا۔

مصطفٰے۔ خالہ جان۔ آپ کے ساتھ چلنے کو میرا جی اس قدر چاہتا ہے کہ اگر آپ نہ کہتیں تب بھی میں آپ کے ہمراہ ہو لیتا۔ نہ کہ اب تو یہ خود آپ کی خواہش ہے۔ لیکن میرا دل کسی طرح اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ میں جس ارادہ سے نکلا تھا اس میں ناکام رہ کر واپس چلا جاؤں۔ آپ حکم دیں گی تو مجھے مجبور ہو کر ماننا پڑے گا۔ لیکن یہ صدمہ پھر کبھی میرے دل سے دور نہ ہو گا کہ میں اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر میں نے گھر واپس جانے کی کمزوری

ظاہر کی تو خود آپ کا دل بھی مجھ سے کسی قدر ضرور متنفر ہو جائے گا۔ آپ مجھے خوشی سے اجازت دے دیجئے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک یہیں رہوں۔ جہاں اتفاقات نے یا قسمت نے مجھے لا ڈالا ہے اور یا تو اپنی زندگی کو اپنی خواہش کے مطابق کامیاب بنالوں یا پھر اسی کوشش میں جان دے دوں۔ ایک ایسے مصطفےٰ سے تو آپ کی بھی خدمت نہیں ہو سکتی جو دقتوں اور دشواریوں سے ڈر کر اپنے ارادہ ہی سے باز آجائے۔

آمنہ۔ (محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھ کر) بھیا اصل بات یہ ہے کہ اتنے دنوں تک تمہاری کچھ خیر خبر نہ ملنے سے میں بہت پریشان ہو گئی تھی اور اسی لئے میرا دل چاہا کہ اب تمھیں اپنے سے الگ نہ ہونے دوں۔ مگر تمہاری اپنی خوشی اگر اسی میں ہے تو تم شوق سے یہاں رہو۔ اللہ نے چاہا تو تم ضرور اپنے ارادہ میں کامیاب ہو گے۔ بس اتنا کرنا کہ کبھی کبھی خط ضرور بھیجتے رہنا۔

مصطفےٰ۔ (خوش ہو کر) خالہ جان آپ بڑی اچھی ہیں، میں انشا اللہ آئندہ برابر خط لکھتا رہوں گا۔ ہاں ایک کام کیجئے آپ انھیں عائشہ کو اپنے ساتھ لیتی جائیے۔ ان کے تمام حالات آپ کو معلوم ہو ہی چکے ہیں۔ ہندوستان پہنچکر اگر یہ چاہیں تو انھیں ان کے وطن پہنچا دیجئے گا اور اگر آپ کے پاس رہنا چاہیں تو اپنے پاس رکھ لیجئے گا۔ اب ان کے وطن میں بھی ان کا قریبی رشتہ دار شاید کوئی نہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ آپ ہی کے پاس رہنے کو ترجیح دیں۔

عائشہ کا دل تو کسی طرح نہ چاہتا تھا کہ مصطفےٰ سے الگ ہو۔ لیکن ایسی صورت میں یہ بھی کسی طرح مناسب نہ تھا کہ وہ خود اس کے ساتھ رہنے پر اصرار

کرتی اس لئے بادل ناخواستہ وہ آمنہ کے ساتھ ہولی اور فاروق اور آمنہ سیٹھ صاحب کی مہربانیوں کا دلی شکریہ ادا کر کے وہاں سے رخصت ہوگئے۔

مصطفےٰ کے کام سے سیٹھ جی پہلے ہی بہت کچھ خوش تھے اور اب تو اس نے اور بھی دل لگا کر محنت سے کام کرنا شروع کیا۔ چند ہی روز میں سیٹھ جی اس بات پر مجبور ہوئے کہ اس کی تنخواہ میں ایک معقول اضافہ کریں۔ جب تک تنخواہ کم تھی اس وقت بھی مصطفےٰ اس میں سے کچھ نہ کچھ رقم برابر پس انداز کیا کرتا تھا۔ اب تنخواہ بڑھ جانے پر اس نے اور بھی زیادہ بچانا شروع کیا اور ایک سال میں اس نے پانچ سو کے قریب روپے جمع کر لئے اس نے سیٹھ جی سے درخواست کی کہ اس روپے کو اپنی دوکان میں لگا کر اسے بھی حصہ رسد منافع میں شریک کریں لیکن سیٹھ جی نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ ایک چھوٹی سی دوکان بطور خود کھول لے اپنے کام کے متعلق انھوں نے اسے اجازت دے دی کہ روزانہ تین گھنٹے دوکان میں صبح کو دیا کرے اور باقی اپنی دوکان پر گزارے۔ تجارت کا سامان بھی انھوں نے خود اسے دلوا دیا اور اب مصطفےٰ اپنی دوکان الگ لے کر بیٹھ گیا محنت اور ایمانداری سے جو کام بھی کیا جائے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ مصطفےٰ کی تجارت نے بھی روز افزوں ترقی کی اور سال کے ختم پر اس کی دوکان میں تقریباً دو ڈھائی ہزار روپے کا مال تھا جس میں ڈیڑھ ہزار روپے کا اس کا اپنا تھا۔

دوکان میں تجارت کا سامان اور سامان کے ساتھ ساتھ خریدار برابر بڑھتے ہی گئے اور تین سال گزر جانے پر مصطفےٰ کا شمار کولمبو کے بڑے تاجروں

میں ہونے لگا۔ دوکان کے مال کے علاوہ اب اس کا اپنا دس ہزار روپیہ بینک میں جمع تھا۔ سیٹھ عمر بھائی کو اس سے بیحد محبت تھی اور اسے بالکل اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے پہلے تو انھیں خیال ہوا تھا کہ مصطفےٰ کو ضرور عائشہ سے محبت ہے لیکن جب اس نے خود ہی درخواست کر کے اسے آمنہ کے ساتھ بھیجدیا اور اس کے بعد کبھی کسی کے سامنے نام تک نہ لیا تو انھوں نے یقین کر لیا کہ ان کا پہلا خیال غلط تھا۔ ایک روز انھوں نے مصطفےٰ کی دعوت کی اور کھانے سے فارغ ہو کر تنہائی میں بولے۔

سیٹھ جی۔ بھئی مصطفےٰ اب ماشاءاللہ تمھاری عمر بھی کافی ہوگئی اور تمھاری آمدنی بھی بہت معقول ہے۔ اب تمھیں شادی کر لینی چاہیئے۔

مصطفےٰ۔ (کسی قدر شرما کر) جی ابھی کیا جلدی ہے۔

سیٹھ جی۔ بھئی ایک بات میرے خیال میں ہے اگر تم سنو تو میں کہوں۔

مصطفےٰ۔ (کسی قدر حیرت سے) فرمائیے۔

سیٹھ جی۔ تم ایک بہت ہی سعادت مند نوجوان ہو اور تمھارے اخلاق و عادات اس قدر اچھے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ لوگوں کو تم سے محبت نہ ہو جائے مجھے بھی تم سے بے انتہا محبت ہوگئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اور تمھارے تعلقات اور بھی زیادہ قریب ہو جائیں۔ اگر تم پسند کرو تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ اختر بائی کی شادی تمھارے ساتھ کردوں۔ میں اب بہت ضعیف ہو گیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں یہ سب کاروبار کسی کے سپرد کر دوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ اس اختر کے سوا میرے اور کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لئے میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ

سب تمہارا ہی ہوگا۔ لوگ تو بہت کچھ اندازہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں صحیح صحیح بتاتا ہوں کہ میرے پاس تقریباً چھ لاکھ روپیہ ہے

مصطفےٰ اس عجیب درخواست پر کچھ حیران سا رہ گیا اور بہت دیر تک کچھ جواب نہ دے سکا۔ اختر بائی ایک حسین و جمیل لڑکی تھی، اور جہاں تک اس نے اندازہ کیا تھا اس کی عادات و اطوار بھی بہت شریفانہ تھے سیٹھ عمر بھائی کی دولت بھی اس قدر تھی جسے وہ بے قیاس کہہ سکتے تھے یہ دونوں باتیں مجموعی طور پر ایسی تھیں کہ اس تعلق پر ہر نوجوان فخر کر سکے۔ مگر مصطفےٰ کے دل پر عائشہ کی محبت قبضہ کر چکی تھی۔ سیٹھ جی نے یہ یقین کرنے میں غلطی کی تھی کہ اسے عائشہ کا خیال نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تین سال کے عرصہ میں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی عائشہ کو نہ بھولا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ کام میں اس کی اس قدر محنت اور انہماک کا بہت بڑا باعث یہی تھا۔ کہ اس کی تمنا تھی کہ جلد سے جلد وہ اس قابل ہو جائے کہ روپیہ کی ایک بہت بڑی مقدار کما کر ہندوستان جائے اور اگر ممکن ہو تو عائشہ سے شادی کرے۔ عائشہ سے اس کی خط و کتابت برابر جاری تھی اگرچہ یہ ضرور ہے کہ یہ خطوط اظہار جذبات سے بالکل خالی ہوتے تھے اور دونوں میں سے کسی ایک کے خط کو بھی عشقیہ تحریر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ عائشہ نے اگرچہ اپنے ہی گھر رہنا پسند کیا تھا اور اپنی ایک پھوپھی کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ لیکن آمنہ سے برابر اس کی ملاقات ہوتی رہتی تھی اور آمنہ نے اچھی طرح تاڑ لیا تھا کہ اس کے دل میں مصطفےٰ کی محبت جاگزیں ہو چکی ہے۔

مصطفےٰ جب بہت دیر تک خاموش رہا اور کچھ نہ بولا تو سیٹھ جی کو بڑا تعجب

ہوا اور انھوں نے کہا کہ "کیوں بھائی تم چپ کیسے ہو گئے"۔

مصطفےٰ۔ کیا عرض کروں۔

سیٹھ جی۔ میرے خیال میں جس طرح میں نے نہایت صفائی سے اپنی تجویز پیش کر دی اسی طرح تم بھی بالکل صاف صاف جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔

مصطفےٰ۔ آپ کے احسانات مجھ پر اس قدر ہیں کہ میں کسی طرح بھی ان کے بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ نے ایک شفیق باپ سے بھی زیادہ میرے حال پر شفقت فرمائی ہے اور آپ کے ہر حکم کو ماننا میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ لیکن آپ کا یہ حکم ایسا نہیں ہے جس کا تعلق صرف مجھ ہی سے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں اختر بائی کے لائق نہیں ہوں اور انھیں خوش نہ رکھ سکوں گا۔

سیٹھ جی۔ نہیں یہ تمھارا خیال غلط ہے۔ تم سے بہتر شوہر اسے کہیں نہیں مل سکتا۔

مصطفےٰ۔ (گردن نیچی کر کے) سیٹھ جی سچ تو یہ ہے کہ مجھے عائشہ سے ایک دلی تعلق ہو گیا ہے اور اگرچہ یہ بالکل ممکن ہے کہ میں آپ کے حکم پر اپنی تمام خوشیاں قربان کر دوں اور یہاں شادی کر لوں لیکن یہ ناممکن ہے کہ عائشہ کا خیال میرے دل سے نکل جائے اس لئے ظاہر ہے کہ میں کسی دوسری عورت کی دل دہی اور خاطر پورے طور پر نہیں کر سکتا اور یہ مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتا کہ میری وجہ سے اختر بائی کو رنج پہنچے۔

سیٹھ جی۔ (کسی قدر مایوسانہ لہجہ میں) کیا تم یہ فیصلہ کر چکے ہو۔

مصطفےٰ۔ جی ہاں یہ تو میں ایک عرصہ سے فیصلہ کر چکا ہوں کہ یا تو عائشہ سے

شادی کروں گا یا اسی طرح کنوارا رہوں گا۔

سیٹھ جی۔ مصطفےٰ تم انکار کر کے کتنی بڑی دولت پر لات مار رہے ہو۔

مصطفےٰ۔ (ذرا سنجیدگی کے ساتھ) کیا آپ کو یہ توقع تھی کہ میں روپے کے لالچ سے شادی کروں گا۔ سیٹھ جی میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اگر رضامند ہو جاتا تو صرف اختر بائی کی خوبیوں کی وجہ سے ہوتا۔ یا آپ کو خوش کرنے کے لئے۔ روپے کا لالچ مجھے کسی حالت میں بھی اس پر آمادہ نہ کر سکتا تھا۔

سیٹھ جی نے تعجب اور تعظیم کی نگاہوں سے مصطفےٰ کو دیکھا اور بولے۔

سیٹھ جی۔ مصطفےٰ مجھے معاف کرنا۔ میرے دل میں تمھاری بڑی عزت تھی لیکن یہ خیال نہ تھا کہ تم اس قدر بلند خیال ہو اور ایک تاجر ہونے کے باوجود تمھارے دل میں روپے کی محبت نہیں ہے۔

مصطفےٰ۔ تاجرانہ نقطۂ خیال سے تو یہ حماقت میں شامل ہے اس لئے اسے بلند خیال کیوں کہا جائے (عاجزانہ صورت بنا کر) سیٹھ جی حقیقت یہ ہے کہ میرے لئے اس سے زیادہ خوش قسمتی اور فخر کا باعث اور کیا ہو سکتا تھا کہ آپ کی فرزندی نصیب ہو مگر نہ مجھی کو یہ گوارا ہے اور نہ آپ کو گوارہ ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ اختر بائی کا دل رنجیدہ ہو اور عائشہ کے متعلق جو میرے خیالات ہیں انھیں دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں کبھی اور کسی طرح بھی اسے بھلا نہ سکوں گا۔

سیٹھ جی۔ تمھاری گفتگو کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تمھیں یہ اندیشہ ہے کہ تمھارا یہ انکار مجھے برا معلوم ہوا ہو گا۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے اس جواب سے میرے دل میں تمھاری عزت اور بھی بڑھ گئی۔

مصطفٰے ۔ آپ کو مجھ سے اس قدر محبت ہے کہ میری ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے ۔

مصطفٰے کا کاروبار حسب سابق برابر ترقی کرتا رہا اور پانچ سال کے اختتام پر اس کے پاس اپنا ذاتی سرمایہ تیس چالیس ہزار کے قریب ہوگیا مصطفٰے کا یہی ارادہ تھا اور اب اس نے یہی خواہش سیٹھ جی پر ظاہر کی کہ وہ اپنا سب کام بند کر کے ہندوستان واپس چلا جائے ۔ مگر سیٹھ عمر بھائی نے اس کی مخالفت کی اور یہ مشورہ دیا کہ تم تھوڑے دنوں کے لئے وطن جاکر اور اپنی شادی کر کے واپس آجاؤ ۔ مصطفٰے نے بہتیرا کہا کہ مجھے بہت زیادہ روپیہ پیدا کرنے کی خواہش اور تمنا نہیں ہے اور جس قدر میں نے پیدا کر لیا ہے اسے اگر کسی معقول کام میں لگا دیا تو مدت العمر فارغ البالی سے بسر ہو سکتی ہے ۔ مگر سیٹھ جی نہ مانے اور اسے یہ وعدہ کرنا ہی پڑا کہ شادی سے فارغ ہو کر وہ پھر کولمبو پہنچ جائے گا

اپنی روانگی کی اطلاع مصطفٰے نے فاروق اور عائشہ دونوں کو کر دی اور جہاز میں بیٹھ کر بمبئی کے ارادے سے روانہ ہوگیا ۔ سفر بہ خیر و خوبی گزرا اور بمبئی پہنچکر اس نے ارادہ کیا کہ دو چار روز قیام کر کے اچھی طرح سیر بھی کرے اور آمنہ اور عائشہ کے لئے کچھ تحفے بھی خریدے ۔

وہ جہاز سے صبح کے وقت اترا تھا اور اسی شام کو جب وہ سمندر کے کنارے چوپاٹی پر سیر میں مصروف تھا اسے سامنے سے وہی پارسی منیجر گھاس لیٹ والا آتا نظر پڑا ۔ مصطفٰے نے اسے دیکھا اور اس نے مصطفٰے کو اور مصطفٰے نے محسوس کیا کہ اس نے نفرت کے ساتھ اپنی نگاہیں پھیر لیں ۔ مصطفٰے اب کوئی بچہ نہ تھا ، کی

عمر تقریباً تئیس سال کی ہو چکی تھی اور عمر کے ساتھ ساتھ اس نے قد و قامت میں بھی خوب اچھی طرح ترقی کی تھی۔ اچھا لانبا قد تھا اور نہایت مضبوط اور گوشت سے بھرے ہوئے ہاتھ پاؤں، ابھرا ہوا اور چوڑا سینہ اور اس پر اس کی مردانہ چال کچھ ایسی چیزیں تھیں کہ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک ضرور ہی مرعوب ہو جاتا تھا۔ مصطفےٰ نے بھی یہ دیکھ کر کہ اس نے اظہار نفرت کیا ہے۔ نہایت حقارت کے ساتھ اپنی نگاہ پھیرلی اور اس طرح دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جاننے کے باوجود بالکل اجنبی بنے ہوئے گزر گئے۔

اکیسواں باب

اسپتال کے ایک نہایت شاندار کمرے میں ایک نہایت صاف ستھرے بستر پر بوڑھے پڑے مصطفےٰ کی یکایک آنکھ کھلی تو اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا اس کے سرہانے ایک شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کی صورت اس کی نگاہوں کو کچھ آشنا معلوم ہوئی اور اس نے غور سے اسے دیکھنا شروع کیا دیکھتے دیکھتے یکایک ایک مسرت آمیز حیرت کے ساتھ اس نے کہا

مصطفےٰ۔ ایں رشید! تم یہاں کہاں؟ میں کہاں ہوں؟ یہ کس کا مکان ہے؟

رشید۔ (مسکراکر) گھبراؤ نہیں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی ابھی تم خاموش لیٹے رہو۔

مصطفےٰ۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ....

رشید۔ تم باتیں بالکل نہ کرو۔

مصطفےٰ۔ خاموش ہو کر لیٹا رہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن وہ اب پورے طور پر ہوش میں آچکا تھا اس لئے بہ مشکل کوئی دس پندرہ منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے پھر آنکھیں کھول دیں اور بولا۔

مصطفےٰ۔ میں اب بالکل اچھا ہوں اور مجھے تمام واقعات بھی یاد آگئے اب تم مجھے صرف

اتنا بتا دو کہ یہ کس کا مکان ہے مجھے کون یہاں لایا اور تم یہاں کہاں سے آ گئے۔

رشید۔ (مسکرا کر) اچھا تم ایسے ہی بے تاب ہو تو سنو۔ تمہارے بلند شہر سے چلے جانے کے بعد میں نے والد سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے پاس بمبئی میں بلالیں۔ یہاں آکر میں کچھ عرصہ تک تو پڑھتا رہا اور پھر والد کی کوششوں اور بعض دیگر اصحاب کی سفارشوں سے میں ٹریننگ کالج میں بھیجدیا گیا اور اب یہیں بمبئی میں سب انسپکٹر ہوں مجھے تمہارا کچھ پتہ نہ تھا کہ تم کہاں ہو اگرچہ اکثر تمہارا خیال آیا کرتا تھا آج رات کو دس بجے کے قریب پولیس کے دو سپاہی تمہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر کوتوالی میں لائے اور میری حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ تم ہو۔ انھوں نے تمھیں اسی حالت میں سڑک پر پڑا ہوا پایا تھا اور تمہارے سر کے زخم سے خون بہ رہا تھا۔ جب مجھے تمہارے زخم اور تمہاری حالت کا خیال آیا تو تمام خوشی فکر اور اندیشہ سے بدل گئی اور میں جلد سے جلد تمھیں لے کر یہاں اسپتال آیا اور جب سے برابر بیٹھا ہوا تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمھیں بہت جلد ہوش آ گیا اور اب تمہاری طبیعت ٹھیک ہے تمہارے حالات سننے کے لئے میرا دل بیچین تو بہت ہے۔ لیکن اس وقت زیادہ باتیں کرنا تمہارے لئے مضر ہوگا اس لئے میں انشاءاللہ صبح کو تم سے سب تمہارے حالات سنوں گا

مصطفےٰ۔ میں بالکل اچھا ہوں سر میں خفیف سا درد ہے۔ میں اسی وقت تمھیں سب کچھ سنا سکتا ہوں۔

رشید۔ نہیں میں تمھیں باتیں نہیں کرنے دوں گا۔ تم آنکھیں بند کر کے سو جاؤ۔ صبح کو باتیں ہوں گی۔

مصطفٰے اسو یا تو کیا لیکن مجبوراً آنکھیں بند کئے پڑا رہا اور اسی نیم خوابی و نیم بیداری کی حالت میں چند گھنٹے گزرنے کے بعد صبح کو جب وہ جاگا تو اس نے اپنے تمام حالات نہایت تفصیل کے ساتھ رشید کو سنائے اور آخر میں یہ بھی بتایا کہ گذشتہ شب میں جب وہ سینما سے واپس آرہا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ دو شخص برابر اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ لیکن چونکہ اسے کوئی خطرہ یا اندیشہ نہ تھا اس لئے اس نے کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔ یکایک ایک نسبتاً کم آباد جگہ پہنچنے پر پیچھے سے اس کے سر پر ایک لاٹھی لگی اور جونہی وہ مڑا کہ حملہ آور کو دیکھے اس کا سر چکرایا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اس کے بعد اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا۔ رشید کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ تمام دنیا میں اس کا صرف ایک دشمن تھا جسے اس نے کل ہی بمبئی میں دیکھا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جن لوگوں نے اس پر حملہ کیا تھا ان میں اس کا وہ دشمن نہ تھا۔

رشید۔ تو تم ان لوگوں کو پہچان بھی سکو گے جنھوں نے تم پر حملہ کیا تھا۔

مصطفٰے۔ مجھے امید نہیں۔

رشید۔ تو تمھیں یقین ہے کہ تم پر یہ حملہ اسی گھاس لیٹ والا نے کرایا تھا۔

مصطفٰے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ دنیا بھر میں میرا کوئی اور دشمن نہیں ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ مجھ پر چوری کی نیت سے حملہ نہیں کیا گیا تھا کیوں کہ میری جیبوں کا تمام سامان بالکل محفوظ ہے۔

رشید۔ میں اس گھاس لیٹ والا سے واقف ہوں۔ اس کا جرائم پیشہ گروہ سے بہت گہرا تعلق ہے اور میں انتہائی کوشش کروں گا کہ اسے سخت

سے سخت سزا ملے۔

مصطفیٰ۔ میں اس کے خلاف کوئی دعویٰ نہیں کرنا چاہتا اس کا نام میں نے تمہیں اپنے دوست کی حیثیت میں بتایا ہے نہ کہ پولیس انسپکٹر کی۔

رشید۔ (تعجب سے) کیوں؟

مصطفیٰ۔ میں کچھ اسے پسند نہیں کرتا۔ میں یہ تو کرسکتا ہوں کہ اگر کہیں وہ مل جائے تو اس سے کہوں کہ یہ بزدلانہ طریقے ہیں اگر اس میں ہمت ہے تو خود مجھ سے مقابلہ کرلے

رشید۔ میں تو اسے حماقت خیال کرتا ہوں۔

مصطفیٰ۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر بات کے متعلق میرا اور تمہارا خیال ایک ہی ہو مجھے اس میں کچھ اپنی ذلت سی معلوم ہوتی ہے کہ اس مقدمہ کو عدالت میں لے جاؤں دوسرے یہ کہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ مجھ پر اس نے حملہ نہیں کیا ہے اور بجز میرے قیاس کے میرے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ حملہ اس کی تحریک پر ہوا۔ ایسی حالت میں اگر اسے سزا ہو بھی گئی تو خود میرے دل کو کیسے اطمینان ہوگا کہ اسے بے قصور سزا نہیں دلائی گئی ہے۔

رشید نے ایسے تعجب کی نگاہ سے جس میں تعظیم کی بھی جھلک تھی اپنے بچپن کے ساتھی کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گیا۔

سر کے زخم کی وجہ سے مصطفیٰ کو ایک ہفتہ تک اسپتال میں ٹھہرنا پڑا اور اس عرصہ کے بعد جب وہ اسپتال سے نکلا تو رشید کا مہمان بننا پڑا۔ فاروق اور عائشہ کو وہ بمبئی میں اپنے رک جانے کی اطلاع دے چکا تھا۔ اس لئے اس کا بھی یہی دل چاہا کہ دو چار روز اپنے پرانے دوست اور بچپن کے ساتھی کی پرلطف صحبت

میں گزارے۔

ایک روز وہ پھر رات کے وقت تنہا شہر کے ایک کم آباد حصہ میں سے گزر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ تین شخص آپس میں کچھ جھگڑا کر رہے ہیں اور باہم سخت کلامی ہو رہی ہے۔ جب وہ کسی قدر قریب پہنچا تو اس نے پہچانا کہ ان میں سے ایک شخص تو اس کا قدیمی دشمن گھاس لیٹ والا ہے اور باقی دونوں شخصوں کے متعلق اسے گمان غالب یہ ہوا کہ وہ وہی دونوں بدمعاش ہیں کہ جنھوں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ وہ دونوں کے دونوں گھاس لیٹ والا سے لڑ رہے تھے اور مصطفیٰ کے بالکل قریب پہنچنے سے پہلے ہی باتوں سے نوبت لاتوں تک پہنچ گئی اور دونوں بدمعاشوں نے نہایت بے دردی سے گھاس لیٹ والا کو مارنا شروع کر دیا۔ گھاسلیٹ والا مدد کے لئے چلایا اور مصطفیٰ کے دل نے مجبور کر دیا کہ اس کی مدد کے لئے دوڑے۔ گھاس لیٹ والا بھی متحیر سا رہ گیا۔ اور حملہ آوروں کے بھی تعجب کی وجہ سے ہاتھ رک گئے۔ مصطفیٰ کا اپنے دشمن کی مدد کو آنا اور اپنی جان خطرہ میں ڈالنا ایک ایسی عجیب بات تھی کہ سب کے سب لڑائی کو بھول کر اس کی صورت دیکھنے لگے۔ لیکن یہ سب کچھ صرف چند لمحوں کے لئے ہوا۔ اور اس کے بعد پھر دونوں بدمعاشوں نے اپنے وار شروع کر دیے۔ مصطفیٰ نے گھاس لیٹ والا کو کئی مرتبہ آڑ میں لے کر بچا بچا دیا۔ لیکن بالآخر ایک بدمعاش کی لاٹھی کا بھرپور ہاتھ اس کے سر پر پڑ ہی گیا اور وہ بے ہوش سڑک پر گر گیا۔ بدمعاش یہ کہتے ہوئے کہ ہمیں کسی اور سے کچھ مطلب نہیں ہے بھاگ گئے اور مصطفیٰ نے خود مجروح ہونے کے باوجود گھاس لیٹ والا کو ایک کرایہ کی گاڑی میں ڈالا اور اسپتال لے گیا۔

گھاس لیبٹ والا بہت ہی بری طرح زخمی ہوا تھا اور کئی روز تک وہ اس قابل نہ ہو سکا کہ لوگوں کو پہچان سکے یا اپنے حملہ آوروں کا کچھ پتہ نشان دے سکے۔ پانچویں روز اس کی حالت کسی قدر سنبھلی اور اس نے پہچانا کہ مصطفےٰ اس کے سرہانے بیٹھا ہوا ہے نہایت ہی کمزوری کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سی نمودار ہوئی اور گو اس کی زبان نے یاری نہ دی لیکن اس کی آنکھوں نے اس کے دل کی ساری کیفیت بیان کردی۔ مصطفےٰ نے اسے اطمینان دلایا کہ اب اس کی زندگی خطرہ سے نکل چکی ہے اور وہ بہت جلد تندرست ہو جائے گا چند گھنٹے گزرنے اور کچھ عرقیات پینے کے بعد جب اس میں کسی قدر طاقت آئی اور اس کی زبان نے یاری دی تو اس نے ہاتھ جوڑ کر انتہائی تعظیم کے ساتھ مصطفےٰ سے کہا۔

گھاس لیبٹ والا۔ مصطفےٰ تم سچ مچ دیوتا ہو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ سچی شرافت اور سچی بہادری کیا ہوتی ہے۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا اور مجھے تم اس قدر خطرہ میں گھرے ہوئے مل جاتے تو میں تو ضرور ان بدمعاشوں کی مدد کرتا اور تمہیں سخت سے سخت اذیت کے ساتھ ہلاک کرنا پسند کرتا۔ لیکن ایسی حالت میں جو برتاؤ تم نے کیا اس نے میرے دل پر بہت بڑا اثر کیا ہے اور درحقیقت میں آج سمجھا ہوں کہ انسانیت کس چیز کا نام ہے۔ میں اپنے گزشتہ قصوروں پر سچے دل سے نادم ہوں اور آج تمہارے سامنے توبہ کرتا ہوں کہ تمہارے ہی ساتھ نہیں بلکہ آئندہ کسی کے ساتھ بھی برائی نہ کروں گا اور میری انتہائی کوشش ہوگی کہ تم جیسا بن جاؤں۔

مصطفےٰ۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کس چیز سے اس قدر اثر پذیر ہوئے۔ آپ یقیناً میرے دشمن تھے اور میری تمنا تھی کہ اگر کہیں آپ مل جائیں تو آپ سے کہوں

کہ اس قسم کی بزدلانہ دشمنی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو سامنے آکر دوبدو مقابلہ کریجئے لیکن اتفاقات نے آپ سے ایسے وقت میں ملاقات کرائی کہ جب آپ پر ظلم ہو رہا تھا۔ اس وقت میرا فرض تھا کہ میں ایک معمولی انسان سمجھ کر آپ کی مدد کروں اور میں نے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں کیا کہ اپنا انسانی فرض ادا کرنے کی کوشش کی۔ ایک بے بس معذور اور مجبور انسان کے ساتھ کسی شریف آدمی کو دشمنی نہیں رہتی اور بہادر دشمن لڑنے کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنے دشمنوں کے زخموں کی مرہم پٹی کیا کرتے ہیں۔ اگر اب آپ کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا ہے تو میں بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے بھی آپ سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے اور میں بڑی خوشی سے آپ سے دوستانہ مصافحہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ کہہ کر مصطفٰے نے بڑی گرم جوشی سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور گھاس لیٹ والا نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر خوب زور سے دبایا اور پھر متواتر اس پر بہت سے بوسے دئے۔ مصطفٰے نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

بائیسواں باب

آمنہ۔ تمہیں اور عائشہ کو دیکھ کر میرا پلیوں خون بڑھتا رہتا ہے۔ خدا تمہاری عمروں میں برکت دے اور ہمیشہ خوش رکھے۔

مصطفےٰ۔ خالہ جان میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں تو رات دن آپ کو سجدے کیا کرتا۔ جو کچھ میں تھا وہ بھی خوب یاد ہے اور جس عجیب و غریب طریقے سے آپ نے مجھ میں ایسی زبردست تبدیلیاں پیدا کر دیں وہ بھی مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ اگر میں آج کسی قابل ہوں تو اس کا سبب صرف آپ ہیں ورنہ یقینی طور پر یا تو میں آج ٹوکری ڈھوتا ہوتا یا پھر چوری اور ڈاکہ کی سزا میں کسی جیل خانہ میں پڑا سڑتا ہوتا۔

آمنہ۔ بھیا اس میں میں نے کیا کیا جب تم بچے تھے تو میں نے تمہاری کسی قدر تربیت ضرور کی ہے اور بچوں کی تربیت کرنا عورتوں کا کام ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تم خود ایسے نیک اور اچھے نہ ہوتے تو میں کیا کر سکتی تھی۔

مصطفےٰ۔ میں اس قدر نیک اور اچھا تھا کہ لوگ میری بدمعاشیوں اور شرارتوں کو اب تک بھی نہیں بھولے ہیں اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی طریقے سے میرے

سدھارنے کی خواہ کتنی بھی کوشش کی جاتی سب فضول ہوتی۔ جو کام آپ کی ذراسی مسکراہٹ کر دیا کرتی تھی اور جو اثر آپ کی ایک محبت بھری نگاہ سے مرتب ہوجاتا تھا وہ دنیا بھر کے استادوں کی تعلیم اور تربیت سے بھی پیدا نہ ہوسکتا تھا

آمنہ ۔ یہ سچ ہے کہ محبت کے ذریعہ سے بڑے بڑے خراب آدمیوں کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے (بات ٹالنے کے لئے) مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ خدا نے تمہیں بہت ہی نیک اچھی اور محبت کرنے والی بیوی دی ہے۔

مصطفیٰ ۔ (کسی قدر شرما کر) میرا تو یہ خیال ہوگیا ہے کہ عورتیں اکثر نیک اور اچھی ہی ہوتی ہیں

آمنہ ۔ خیر یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ اچھا اب تم یہ تو بتاؤ کہ تم نے کولمبو جانے کا ارادہ بھی فسخ کیا یا نہیں۔

مصطفیٰ ۔ میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر میں وعدہ نہ کرچکا ہوتا تو ہرگز نہ جاتا۔ میں جاؤں گا تو ضرور لیکن انشاءاللہ بہت ہی جلد واپس آجاؤں گا اور اپنا تمام روپیہ اور اپنا تمام وقت ایک ایسی تربیت گاہ کھولنے پر صرف کردوں گا جہاں بہت ہی چھوٹی عمر کے بچے رکھے جائیں اور انھیں عورتوں کے ذریعہ سے تعلیم اور تربیت دلائی جائے۔ ہماری قوم میں سب سے بڑی کمی یہی ہے کہ مائیں بچوں کی تربیت کرنا نہیں جانتیں اور یہی وجہ ہے کہ بڑے ہوکر وہ اچھے انسان نہیں بنتے۔

آمنہ ۔ یہ خیال تو بہت اچھا ہے بشرطیکہ لائق استانیاں میسر آجائیں۔

مصطفیٰ ۔ آپ کی نگرانی میں آکر خراب سے خراب استانیاں بھی لائق بن جائیں گی آپ تو گدھوں کو انسان اور پتھروں کو ہیرا بنادیا کرتی ہیں۔

مطبوعات نیا کتاب گھر دہلی

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
رضیہ کا شاہی دسترخوان — رضیہ سلطانہ	سے/	سرخ چین کا رہنما — اسرار احمد آزاد	۲سے/
رضیہ کی مشرقی مغربی کشیدہ کاری "	۸/	امست کی مائیں (سوانح ازواج پاک)	ع۸/
رضیہ کے خطوط "	ع۸/	جام و مینا (پریم چند مرحوم وغیرہ کے افسانے)	ع۱۲/
رضیہ کے تین افسانے "	۱۵/	پتھر سے ہیرا - ڈاکٹر سعید احمد بریلوی	عل
لعل و گوہر "	ع۱۲/	مکمل تاریخ آزاد ہند فوج	سے/
باپ کا خط بیٹی کے نام — مولوی حبیب الحسن	۱۲/	دیپ فیسٹے - (افسانے) اللہ دا انصاری	ع۱۲/
جواہر لال نہرو کی کہانی — محمد رحیم دہلوی	عـ۵	چھاپے - " قدوس صہبائی	سے/
زارینہ (ناول) "	ع۸/	**بچوں کی دلچسپ کہانیاں**	
تازیانہ "	ع۸/	چوہا شیر کیسے بنا؛ عزیز گورکھپوری	۵/
چاند سورج کی چوری "	عل	جمو دادا "	۵/
فاطمہ کا لال. شہادت حسین "	ع۱۲/	بندر کا عقیقہ. عکاس جمال	۶/
پنکھڑیاں (افسانہ) "	ع۱۲/	شیخ چلی نے جنت کی سیر کی "	۶/
بیوی محبت کیوں کرے؟ نادرہ سلطانہ	ع۸/	شیطان کی کھوپری - رضیہ سلطانہ	۵/
نئی امنگیں — جوش وغیرہ کی نظمیں	ع۱۲/	زمین دوز شہر "	۵/
سرخ افسانے — اسرار احمد آزاد	سے/	کیکڑوں کا انتقام "	۵/

ملنے کا پتہ۔ **نیا کتاب گھر - اردو بازار دہلی**

چاند سورج کی چوری

فن سراغ رسانی کا وہ لاجواب ناول جس میں جاسوسی کارناموں اور محبت کی کرشمہ سازیوں کو آمیز کر کے ایک بے حد دل کش پلاٹ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی ہر سطر اپنے دامن میں ندرت اور جدت کی ایک دنیا چھپائے ہوئے ہے۔ محمد رحیم دہلوی نے اسے اپنی پرواز تخیل اور رفعت بیان شاہکار بنا کر اردو ادب میں بے مثال اضافہ کیا ہے۔ اس کو ہر مرد و عورت۔ بوڑھے بچے، شادی شدہ اور کنواری لڑکیاں بے تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ چکنا کاغذ، مضبوط جلد۔ حسین ٹائٹل

قیمت:۔ دو روپے

پنکھڑیاں

مسٹر محمد رحیم دہلوی کے بہترین افسانوں کا حسین و جمیل مجموعہ ہے جس میں سے ہر افسانہ کو ناقدان فن نے شاہکار تسلیم کیا ہے۔ ان میں سے بعض افسانوں میں موجودہ معاشرت پر طنز کے تیر و نشتر ہیں۔ اور بعض میں محبت اور رومانیت کو سمو دیا گیا ہے۔ یہ افسانہ زندگی کی تمام کمزوریوں اور تمام نیکیوں کے ساتھ موجود ہے۔ سہ رنگا ٹائٹل۔ نہایت خوش نما گرد پوش۔ قیمت فی جلد سوا دو روپے ۲/۴

نئی امنگیں

عقل کی کارفرمائی اور دل کی والہانہ پکار نے عصرِ نو کی شاعری کو جنم دیا ہے
آج کا شاعر مجبور ہے کہ حال کی زندگی اس کی کش مکش اور اس کی امنگوں کو اپنا موضوع
بنائے۔ موجودہ دور کے شعرا کی "نئی امنگیں" اردو میں قابلِ فخر پیش کش ہے۔ اس میں
اتنے تنوع مذاق کی اعلیٰ ترین نظمیں جمع کی گئی ہیں کہ ہر قسم کا ذوق رکھنے والے اس میں
اپنی آسودگی کا سامان پائیں گے۔ جوش۔ فراق۔ احمد ندیم۔ قاسمی۔ جذبی۔ سلام مچھلی
شہری۔ جاں نثار اختر۔ یوسف ظفر۔ فیض احمد فیض۔ مجاز اور ان کے ساتھ ساتھ
ان تمام مشہور شعرا کا کلام بھی اس مجموعہ میں موجود ہے جنھیں موجودہ نسل کی زندگی کا
ترجمان کہا جاتا ہے۔ "نئی امنگیں" چوٹی کے شعرا کے کلام کا شاہکار ہے۔ اتنی معیاری
نظمیں آپ کو کہیں یکجا نہیں مل سکتیں۔ کوئی صاحب ذوق اس مجموعہ کے بغیر اپنے
مطالعہ کو مکمل نہیں کہہ سکتا۔ رضیہ سلطانہ چمن دہلوی نے پیش لفظ لکھا ہے۔ دیدہ زیب
کتابت وطباعت حسین گرد پوش۔ قیمت [illegible]

دفینے

محبت کی ہمہ گیری بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کو یکساں متاثر کرتی ہے۔ اس
نفسیاتی حقیقت کو دفینے میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ امداد انصاری کے رنگین تاریخی افسانوں کا دیدہ زیب
مرقع ہے۔ ادبی حلقوں نے اس تاریخی اور رومانی لٹریچر پر خراج تحسین پیش کیا ہے قیمت عمر

ملنے کا پتہ: **نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی**